

Women Writers
Classics



افسانے

چڑی کی ادکی

عصمت چغتائی

RHOTOS

L P S

Low Priced Series

چٹری کی دکی افسانے

عصمت چغتائی

روہتاس بکس

پبلشر حقوق محفوظ

۱۹۹۵ء

اشاعت اول

پیش چکرز: جی۔ کرشن موہن

چکرز

روہتاس بکس کو نمبر ۱ - کل ۱۰۰ روپے

پیش

عصمت کا سراپا

مساوات حسن منگو

ترج سے تقریباً اڑھائی برس پہلے جب میں بمبئی میں تھا۔ حیدر آباد سے ایک صاحب کا ڈاک کارڈ موصول ہوا۔ مضمون کچھ اسی قسم کا تھا۔

"میں کیا بات ہے کہ عصمت چٹائی نے آپ سے شادی نہ کی؟ منگو اور عصمت اگر یہ دو بہتیاں مل جائیں تو کتنا اچھا ہوتا مگر افسوس کہ عصمت نے شادی سے شادی کر لی اور منگو۔۔۔۔۔"

انہی دنوں حیدر آباد میں ترقی پزیر مصنفوں کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں اس میں شریک نہیں تھا۔ لیکن حیدر آباد کے ایک پرستے میں اس کی مدد و بھیجی۔ جس میں یہ لکھا تھا کہ وہاں بہت سی لڑکیاں نے عصمت کو گھیر کر یہ سوال کیا "آپ نے منگو سے۔۔۔۔۔ شادی کیوں نہیں کی؟"

مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ بات درست ہے یا غلط لیکن جب عصمت چٹائی واپس آئی تو اس نے میری بیوی سے کہا کہ حیدر آباد میں ایک لڑکی نے جب اس سے سوال کیا "کیا منگو تو ارا ہے؟" تو اس نے ذرا طفرے ساتھ جواب دیا "نہی نہیں" اس پر وہ محترمہ عصمت کے بیان کے مطابق کچھ کھینچی ہی ہو کر خاموش ہو گئیں۔ واقعات کچھ بھی ہوں لیکن یہ بات غیر معمولی طور پر دلچسپ ہے کہ سارے ہندوستان میں صرف ایک حیدر آباد ہی ایسی جگہ ہے جہاں مرد اور عورتیں میری بیوی عصمت کی شادی کے متعلق غور مند رہے ہیں۔

اس وقت تو میں نے غور نہیں کیا تھا لیکن اب سوچتا ہوں "اگر میں اور عصمت واقعی میاں بیوی بن جاتے تو کیا ہو؟" یہ "اگر" بھی کچھ اسی قسم کی اگر ہے۔ اگر کہا جائے کہ اگر کلہوڑو کی ٹاک ایک اچھے کا اٹھارہواں حصہ پڑی ہوتی تو

چڑی کی دکی

ترتیب

تعداد اور نمبر

عصمت کا سراپا 5

چڑی کی دکی 11

10 کون تھا 11

خودست کار 46

بھائی 70

امر تل 81

محبوب 101

اس کا اثر دلاؤنی نسل کی تاریخ پر کیا پڑا۔ لیکن یہاں عصمت کو چھوڑ دے اور تھو
 اٹھنی۔ لیکن ادا ضرور ہے کہ اگر سٹو اور عصمت کی شادی ہو جاتی تو اس عداوت کا
 اثر صبر حاضر کے المناوی لوب کی تاریخ پر ایسی مثبتیت رکھتا المناے المناے میں
 جاتے کہ چاہیں چڑا کر چیلین ہو جائیں۔ اثناء کی چھاپوں میں سارا دودھ فلک ہو
 کر یا ایک سطل کی شکل اختیار کر لیتا یا جسم ہو کر راکھ بن جاتا اور پھر بھی ممکن
 ہے کہ فلان ہائے پر ان کے دشمنان کے قلم کی آغوشی قریب ہوتے لیکن جتنے پر
 ہاتھ دیکھ کر یہ بھی کون کہہ سکتا ہے کہ فلان ہائے ہوئے۔ زیادہ قریب تو میں ہوتا
 کہ فلان ہائے پر وہ فوں المناے لکھتے اور قاضی صاحب کی پیشانی پر دھکا کر دیتے
 ہا کہ ضرور ہے۔ فلان کے دوران میں کہہ اسی جاتیں بھی ہو سکتی تھیں۔
 "عصمت قاضی صاحب کی پیشانی پر دھکا ہے لکھتی ہے۔"

"میں کہتی ہوں تم چڑا رہے ہو مجھے۔"
 "جیسے مانا پڑے گا کہ تم چڑا رہی ہو مجھے۔" آئی دلاؤ تم تو ابھی
 سے شہر بن چکے۔"
 "قاضی صاحب! میں اس عورت سے شادی نہیں کروں گا۔ اگر آپ کی بیٹی
 کا ہاتھ بھی آپ ہی کے ہاتھ کی طرح ہے تو میرا دل اس سے چھوڑ دیتے۔"
 "قاضی صاحب! میں اس عورت سے شادی نہیں کروں گی۔ اگر آپ کی چادر
 یہاں نہیں تو مجھ سے شادی کر لیتے۔ مجھے آپ کا ہاتھ بہت پسند ہے۔"
 اگر ہم دونوں کو شادی کا خیال آتا تو وہ سوں کو حیرت و اضطراب میں گم
 کرنے کے بجائے ہم خود اس میں فرق ہو جاتے اور ہبیک دم چو لگتے تو یہ حیرت
 اور اضطراب جہاں تک میں سمجھتا ہوں سرت کے بجائے ایک بہت بڑے دکھ
 میں تبدیل ہو جاتا۔ عصمت اور سٹو دلچ اور شادی 'تختی' مضطرب تھے۔
 عصمت لکھتی ہے۔

ایک ذرا ہی محبت کی دنیا میں کتنے شکوت کتنے محو! مہاس مسکری ہوئی
 اور نہ جانے کون کون ناخ کی گڑی کی طرح پیٹ کر کھیر دے گئے ہیں کوئی تارا۔
 ان میں سے چور چا کون سا ہے؟ شکوت کی بھوکی بھوکی کمانوں سے لہجہ 'انھیں'
 محو کے سناپوں کی طرح رہ گئے ہوئے اصلا مسکری کے بے رحم ہاتھ 'پوئس' کے
 نیچے ہونٹ کا سیاہی 'مہاس' کی کھوئی ہوئی مسکرائیں اور بڑاوں چوڑے چنگے جتنے
 کشادہ پیشانیوں کتنے گئے بل 'سڈول پڈ لیاں' مضبوط ہارو! سب ایک ساتھ مل کر
 بے سوت کے ڈوروں کی طرح الجھ کر رہ گئے ہیں۔ یہ بیان ہو ہو کر اس دھیر کو دیکھتی
 ہوں مگر کچھ میں نہیں آتا کہ کون سا سرا پکڑوں کہ کھینچا ہی چلا آئے اور میں اس
 کے سارے دوران میں بھی لوہے ایک چنگ کی طرح تن جلاؤں۔ (بھولی آہ)

سٹو لکھتا ہے۔
 میں صرف ادا کہتا ہوں کہ عورت سے عشق کرنا اور زمینیں خریدنا
 تمہارے لئے ایک یہ بات ہے سو تم محبت کرنے کے بجائے ایک دو دھکے زمین خریدو

"کیا کیا؟"
 "تمہارے کانوں کو کیا ہو گیا ہے؟"
 "میرے کانوں کو تو کچھ نہیں ہوا تمہاری ترازو طے سے باہر نہیں نکلتی۔"
 "تھو ہو گی۔ لو اب سٹو۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ قاضی صاحب کی پیشانی ہانکل
 نکلتی سے ملتی جلتی ہے۔"
 "نکلتی تو ہانکل ساہ ہوتی ہے۔"
 "یہ پیشانی ساہ نہیں؟"
 "تم ساہ کا مطلب بھی سمجھتے ہو؟"
 "ہی نہیں۔"
 "ساہ ہاتھ اٹھا سارا ہے۔ قاضی بی کا ہاتھ تو۔۔۔۔۔"
 "بڑا خوبصورت ہے۔"
 "تم بصورت تو ہے۔"
 "تم کھس چڑا رہی ہو مجھے۔"
 "چڑا تم رہے ہو مجھے۔"
 "میں کہتا ہوں تم چڑا رہی ہو مجھے۔"

لو اور اس پر ساری عمر قابض رہو۔ زندگی میں صرف ایک عورت اور یہ دنیا اس قدر بھری ہوئی کہیں ہے؟ کہیں اس میں اسے کتنے متعین ہیں۔ میری سنو اور اس زندگی کو جو کہ جس کی وہی گئی ہے ابھی طرح استعمال کرو۔ تم ایسے لاکھ ہو جو عورت حاصل کرنے کے لئے ساری عمر صرف متعین کرتے رہو گے مگر اسے حاصل نہیں کرو گے۔ میں ایسا فریاد نہیں کروں کہ زندگی میں کئی عورتوں سے ملنے کے لئے تم ایسا متعین کرنا چاہتے ہو کہ اس کی لاکھوں پر کوئی کوئی دوسرے کا مصنف ایک کتاب لکھے جسے نرائن دت سنگھ پہلے لکھ دیا ہے چھاپا ہے اور اپنی بازار میں اسے دہی کے پیرا چھپا۔ میں اپنی کتاب کے تمام اوراق دیکھ کر چلت چلتا چلتا ہوں تاکہ اس کا کوئی نقصان نہ ہو۔ تم محبت میں زندگی چاہتے ہو میں زندگی میں محبت چاہتا ہوں۔

(تکلیف)
محبت کو اگر اچھے ہوئے سوت کے ڈبیر میں سے ایسا سرا مل جاتا ہے سمجھتے ہو کچھ ہی چلا آتا اور وہ اس کے سارے اوراق سے اور ایک ہنگ کی طرح تن جاتی اور سنو اگر اپنی کتاب حیات کے کوسے اوراق بھی دیکھ کر چلنے میں کامیاب ہو جاتا تو آج آپ کی طرح ہر ان کے فنی کے فتنے اسے کمرے بھی نہ ہوتے وہ اوراق سے بھی لوہ ہوا میں تنی رہتی اور سنو کے پیرے میں اس کی کتاب حیات کے باقی اوراق جس کی طرح ہر کے اس کے ہر وہ اسے شیشے کی گداری میں بند کر دیتے۔

"پونش" کے دیوانے میں کرشن چندر لکھتے ہیں۔
"محبت کا نام آتے ہی سو افسانہ نگاروں کو دوسے پڑنے لگتے ہیں۔
شرمندہ ہو رہے ہیں آپ غریف لکھتے جا رہے ہیں۔ یہ دیوانہ بھی اسی لکھ کو مرنے کا ایک نتیجہ ہے۔"

محبت کے متعلق جو کہ میں کہہ رہا ہوں کسی بھی قسم کی گفت و مانے کا نتیجہ نہیں ایک قرض تھا جو سود کی مدت ہی پہلی شرح کے ساتھ لوگ رہا ہوں۔
سب سے پہلے میں نے محبت کا کوئی سا افسانہ پڑھا تھا مجھے بالکل پار نہیں۔

یہ سنو لکھنے سے پہلے میں نے حافظ کو بہت کچھ لکھا اس نے میری دہری نہ کی ایسا محسوس ہوا ہے کہ میں محبت کے افسانے کاغذ پر منتقل ہونے سے پہلے ہی چاہ چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مجھ پر کوئی دوسرا نہیں چلا۔ لیکن جب میں نے اس کو پہلی بار دیکھا تو مجھے حلت ہامیدی ہوئی۔

اوقالی عجیب کیرودا بھیجے کے بعد لکھنؤ میں جہاں "مصور" ہفت وار کا دفتر تھا۔ شاید لطیف اپنی بیوی کے ساتھ داخل ہوا۔ یہ اگست ۱۹۳۷ء کی بات ہے۔ تمام کاغذی لکھنے والے ساتھ ساتھ میں سمیت کر دیا وہ چلے گئے اور شہر میں کافی گزرا۔ افسانہ سیاحت میں ہی ہوئی تھی۔ اس لئے کہ وہ ہر کھنگ کا مضمون تحریر کر دیا۔ اس کے بعد رخ بدلا اور افسانوی باتیں شروع ہو گئیں۔

ایک مہینہ پہلے جب کہ میں کل انڈیا ریڈیو دہلی میں ملازم تھا ادب لطیف میں محبت کا "حلاف" شائع ہوا تھا۔ اسے چاہ کر مجھے یاد ہے میں نے کرشن چندر سے کہا تھا افسانہ بہت اچھا ہے لیکن آخری جملہ بہت غیر مناسب ہے اسو غیم کافی کی جگہ اگر میں اندر ہو جاتا تو اسے جتنا حلاف کر دیتا۔ چنانچہ جب افسانوں پر باتیں شروع ہو گئیں تو میں نے محبت چننا ہی سے کہا۔ "آپ کا افسانہ "حلاف" مجھے بہت پسند آیا۔ جان میں افسانہ کو چند کلمات استعمال کرنا آپ کی تعلیمات خصوصیت ہی ہے۔ لیکن مجھے غیب ہے کہ اس افسانے کے آخر میں آپ نے بیکار سا جملہ لکھ دیا۔"

محبت نے کہا "کیا عجیب ہے اس جملے میں؟"
میں جواب میں کہہ دیتی وہی تھا کہ مجھے محبت کے چہرے پر وہی سنا ہوا جاب نظر آتا جو عام گھٹے لکھنے کے چہرے پر ہاتھنٹے کا پیم بن کر نمودار ہوا کرتا ہے۔ مجھے حلت ہامیدی ہوئی اس لئے کہ میں "حلاف" کے تمام جزئیات کے متعلق اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا ادب محبت جلی گئی تو میں نے دل میں کہا "یہ تو کم بہت بالکل عورت تھی۔"

مجھے یاد ہے اس ملاقات کے دوسرے ہی روز میں نے اپنی بیوی کو دہلی لکھا "محبت سے ملے۔" جس میں یہ سن کر حیرت ہو گئی کہ وہ بالکل ایسی ہی عورت ہے جیسی تم ہو۔ میرا منہ تو بالکل کر کر رہا تھا لیکن تم اسے جتنا پسند کر گئی۔ میں نے

یعنی دلفری تھی۔ اور تیز گئی۔ نہ صرف طمانہ دوڑا ہوا معلوم ہوتا ہے بلکہ
 خطرے کا سہ اور اشارے اور آوازیں اور کردار اور جذبات اور احساسات ایک
 طوفان کی سی بلاغی کے ساتھ چلتے اور آگے بڑھتے نظر آتے ہیں۔

مختصر

صحت کا قلم اور اس کی زبان دونوں بہت تیز ہیں۔ کھانا شروع کرنے کی تو
 جی طرح اس کا دماغ آگے نکل جائے گا اور اللہ بہت پیچھے رہ جائیگا۔
 جتنی بکھرنے کی خاطر کبھی باہری حالت میں جائے گی تو معاملہ بالکل ہیبت ہو
 جائے گا۔ طبیعت میں جو کچھ بہت ہی جلد ہے اس لئے آگے کا چڑھنا ہی عملی
 شکل میں دینی کی شکل دیکھنا شروع کر دیتی ہے۔ تو ابھی پیچھے نہیں گئے لیکن ان کا
 سامنے اس کے دماغ میں پہلے ہی چار ہو جاتا ہے۔ اور بھرا بیٹا ہے۔ بعض اوقات
 وہ باہری حالت میں قدم رکھ کر خیال خیال میں غم سیر ہو کر موت آتی ہو کر لپکتی
 اور صحت سے بڑی ہوتی جلد کے ساتھ اپنے اس کو نہیں دے سکتے۔
 اور سکون کے ساتھ اپنی اپنی کے فراک سمیٹنے دیکھا ہے۔ اس کا قلم کھینچتے وقت ایسا کی
 تعلیم کرنا جاتا ہے۔ لیکن کبھی کے فراک سمیٹتے وقت اس کی سوتی سے ابھی ہی
 غور نہیں ہوئی۔ بے سہانے ہوئے ہیں اور حال ہے جو نہیں سمجھتا ہو۔

بکری

نہی کا درد

مگر کیا ہے نکلے کا طے ہے۔ مرض پھیلے ہوا آئے۔ دنیا کے بچے چاہت میں
 مگر کیا حال ہو بیٹا ایک بھی نہیں ہے کہ ہو جائے۔ ہر سال ہائوا آئے مگر ہچکچال
 میں جاتا ہے۔ سننے میں دنیا میں بچے بھی مڑا کرتے ہیں مڑتے ہوں گے کیا فرما۔

اور کچھ دنوں پہلے میں جب اس کی بیٹی میرا کو کالی کمانی ہوئی تو وہ راضی
 جاتی تھی ہر وقت کھوٹی کھوٹی راتیں ساتھ میں بچے کے ساتھ ہی کوکے سے باہر نکلتی
 صحت پر لے رہے تھے کہ بہت دھرم ہے۔ طبیعت میں خود ہے بالکل بچوں کی
 ہی زندگی کے کسی خطرے کو غفلت کے کسی حادثے کو پہلے ہی سمجھتے ہیں کبھی قبول
 نہیں کرتے کہ پہلے شادی سے انکار کرتی رہی۔ جب انہوں نے دوسری بچہ سے
 انکار کر دیا۔ یہی بچہ ہے ہوں تو راضی ہوئی تو اس بچہ سے منکر ہو گئی۔ تعلیم
 افلاس کی۔ صوفیوں پر داشت کرے گی۔ مگر خود سے بھی ہار نہیں آئے گی۔ میں

کہتا ہوں۔ یہ بھی اس کا ایک طرف ہے جس کے ذریعے وہ زندگی کے حقائق سے
 وہاں ہو کر بلکہ گرا کر ان کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی حیرت نرالی
 ہے۔ صحت کے زمانہ اور موانع کو ادھوں میں بھی یہ عجیب و غریب خود یا اللہ
 پا جاتا ہے۔ بہت میں بڑی طرح نکلتی ہیں۔ لیکن غفلت کا انکار کئے چلے جا رہے
 ہیں۔ کی کل چرٹے کو چاہتا ہے لیکن اس میں سوتی کبھوں کے۔ ہولے سے
 چھٹکا ہوا تو ایسی دھل جھانکے کے کہ دوسرا بلبل اٹھے۔ یہ جادو حتم کی تھی
 بہت ہو جس ایک کھیل کی صورت میں شروع ہوتی ہے عام طور پر صحت کے
 اندازوں میں ایک غفلت رحم انگیز صورت میں انجام پذیر ہوتی ہے۔

صحت کا اپنا اہم بھی اگر کچھ اسی طور پر ہو اور میں اسے دیکھنے کے لئے
 زندہ رہا تو مجھے کوئی شب نہ ہو گا۔

صحت سے ملنے چلتے چلتے پانچ چھ برس ہو گئے۔ دونوں کی آفتل کچھ اور
 جگہ سے اڑ جانے والی طبیعت کے چلی نظر اٹھل تو اسی بات کا تھا کہ بیٹکوں
 لڑائیاں ہو تھیں مگر جب ہے کہ اس دور میں صرف ایک بار ہی ہوئی اور وہ بھی
 ابھی ہی۔ شاید اور صحت کے نہ کر کے پر میں اور میری بیوی صحت دونوں کھڑا کھڑا
 کے معاملات میں ایک جگہ جہاں شاید کبھی ناگزیر کی ملازمت کے دوران میں ختم
 تھے آگے ہوئے تھے رات کا کھانا کھانے کے بعد باتوں باتوں میں شاید نے کہا سنو
 تم سے اب بھی زبان کی تعلیم ہو جاتی ہے۔

ذرا بچے تک میں نے تسلیم نہ کیا کہ میری عمر میں زبان کی تعلیم ہوتی ہوگی
 ہیں۔ شاید حلق گیا۔ وہ بچے تک صحت نے اپنے شوہر کی جڑوں کی میں بھر بھی نہ جانتا
 تھا۔ "کوئی بات کہتے ہوئے صحت نے لفظ "دست درازی" استعمال کیا میں نے اسے
 نے صحت سے کہا "مجھ لفظ دراز دیتی ہے" میں بچ کے "صحت نے اپنی تعلیم میں
 تسلیم نہ کی۔ میری بیوی سو گئی۔ شاید قصہ ختم کرنے کے لئے وہ مڑے کرے سے
 صحت اٹھایا "کوئی" حقیقی میں لفظ دست درازی سمجھتی تھیں قصہ جلد دست دراز دیتی
 اور اس کے سبق دیتے تھے۔ شاید نے کہا "صحت اب تمہیں پتا چلے گا۔ اب
 میاں بیوی میں بچ شروع ہو گئی۔ مرغ لڑائیاں دیتے لگے۔ صحت نے لفظ افکار

تعلیم

ہے لوگ اچھا دیکھ اڑائیں، ہم کیوں نہ اس پیش میں شریک ہوں۔" دونوں ایک دوسرے تک دل کڑا کرتی رہیں۔ اسے میں ایک دم بلا سا پاؤں گھسٹان سے پردہ سر کھڑی ان کی بھاری ہلکرم پڑی اور دوسرے لوگ ہم پر حملہ آور ہو گئے۔ چند منوں میں ہی ہمارا حلیہ ناقص شامت تھا۔ صصص کی توجہ دہشکی سے ہٹی اور رنگ پر مرکوز ہو گئی۔ "کو صصص ہم بھی ان کے رنگ لگائیں۔"

ہم سب بازار میں نکل آئے۔ چنانچہ گھوڑ بندہ دوا پر ہاتھ دھوئی شروع ہو گئی۔ "پلے پلے سبز اور کالے رنگوں کا پھرتا شروع ہو گیا۔ صصص پیش پیش تھی۔ ایک سوئی بگائیں کے چرسے پر تو اس نے کار کول کا پب کروا۔ اس وقت کے اس کے بھائی عظیم عظیم چٹائی کا خیال آیا ایک دم صصص نے ہر نیلوں کے سے انوار میں کہا۔ "تو نے ہی چو کی گھر بے دھوا ہو گئی۔"

ان دونوں عظیم ہاتھ بھاری عظیم "پل پل دے فووان" میں کلم کر رہی تھی۔ اس کا ہلکے ہاتھ ہی گھوڑ بندہ دوا پر ہاتھ صصص کی توجہ سب کو پھنڈ آتی چنانچہ چند منوں میں ہم سب ہٹ گئے۔ عظیم صصص عادت پر دے میک اپ میں تھی اور ٹائٹ ٹائٹ جارح کی سازش میں لبوس تھی وہ اس کا خلیو اسٹین ہمارا شور سن کر باہر نکلے۔ صصص نے جو رنگوں میں تھوڑی ہوئی تھی سی تھی تھی صصص صصص صصص نے جس پر مزید دنگ لگنے سے میرا خیال ہے کوئی فرق نہ پڑا۔ عظیم کی غریب کرتے ہوئے کہا۔ "صصص عظیم واقعی عظیم عظیم ہے۔"

میں نے عظیم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "میں ہے لیکن بہت لمبا۔"

بیک کے رنگ تھوڑے ٹیٹوں کے پیچھے صصص کی پھوٹی پھوٹی آنکھیں کھریں اور اس نے آہستہ سے کہا۔ "صصص صصص کے لئے لٹری چھری صصص ہوئی ہے۔" یہ کہہ کر وہ آگے چلا اور ایک بیکٹ کے بعد ہی چو عظیم سرکس کا سٹو ٹی ہوئی تھی۔

صصص اور میں بعض اوقات عظیم عظیم ہاتھ سوجا کرتے ہیں۔ صصص بھائی اپنی چاہتا ہے صصص اور صصص کے دھنک کے متعلق کچھ کھوں۔ "ہاں میں تو صصص میں بھرتی ہو جاؤں گی اور وہائی جاتا اڑانا کیوں گی۔"

صصص کی افسانہ نگاری پر کافی مضمون لکھے گئے ہیں، حق میں کم خلاف زیادہ کہہ تو پاؤں مجھ کو یہ ہیں۔ چند ایسے ہیں جن میں دشمن آسمان کے قلابے لٹکتے گئے ہیں۔

پطرس صاحب نے بھی جن کو لاہور کے ایلی عظیم اروں نے ڈایا میں اند کر رکھا تھا اپنا ہاتھ باہر نکالا اور عظیم پطرس صاحب پر ایک مضمون لکھ دیا آری ڈیٹا میں عیث میں شرفی اور حجاز ہے اس کے مضمون کئی دلچسپ اور سلخا ہوا ہے۔ آپ عورت کے لیل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ایک مقتدر و بخت کار مہاراجہ فیس آپ کی مراد صصص صصص صاحب سے ہے (اے بھی مضمون ہوتا ہے۔ اٹھا پر دھنوں کے راج میں ز اور بلا الگ الگ رنگے ہیں صصص کے متعلق فرماتے ہیں کہ جس کے اعتبار سے اردو میں کم و بیش انیس بھی وہی مرتبہ حاصل ہے جو ایک لٹائے میں انگریزی ادب میں چارٹا ایلیٹ کو قصب ہوا۔ گویا ادب کوئی ٹیٹ فور صصص ہے جس میں عورتوں اور مردوں کے بچے لکھتے ہوتے ہیں۔"

"چارٹا ایلیٹ کا ترجمہ مسلم۔ لیکن میں اس کا نام لے دینے سے تک ہی ملا اور یہ مضمون تو کیا مرے گک۔ اب یہ امر ایک عظیم بحث کا حلقہ ہے کہ کیا کوئی بابہ الا شہاد ایسا ہے جو غاری اور بگائی اور اتفاق نہیں بلکہ داخلی اور خارجی اور بیادوی جو اٹھا پر دھنوں کے ادب کو اٹھا پر دھنوں کے ادب سے لکھ کر آئے اور اگر ہے تو کیا ہے؟ ان سوالوں کا جواب کچھ ہو۔ (ازال اس طرح کا ہرگز نہیں کہ اس کی بیاد پر مصنفین کو "جس کے اعتبار سے" الگ الگ دو نظروں میں کھڑا کر دیا جاتے۔ "میں سوالوں کا جواب بہت عظیم ہے ایسا ہو جس کی بیاد پر مصنفین کو جس کے اعتبار سے دو تھروں میں کھڑا کر دیا جائے لیکن جواب دینے وقت لوگ یہ ضرور سوچیں گے کہ سوال کرنے والا کون ہے جو ہے یا عورت؟ کیوں کہ صصص عظیم کرنے پر سوال کرنے والے کا بھلی اور بیادوی زاویہ نگاہ بہت حد تک واضح ہو جائے گا پطرس صاحب کا یہ کہنا کہ گویا ادب بھی کوئی ٹیٹ فور صصص ہے جس میں

تھیں۔ جانتی تھیں وہ ان کی دست دس سے باہر ہیں۔ مگر دل سے مجبور تھیں۔
انہیں دیکھ کر لعلی آپس بھرے اور آنسوؤں سے نچکنے بھگنے سے انہیں کوئی
روک سکتا تھا۔

اور یہ چاروں عالم نری پان کی دلی تھی۔ فرق اتنا تھا کہ اس کے چنے میں
شاید دل میں تھا کیونکہ اگر دل ہو تو وہ ضرور "ہائے" کے دودھ جیسے سفید بیوں
تھے لونا ہو۔ بد صورت انسان سے انہیں چڑھی۔ خاص طور سے عورت کو تو یہ
صورت ہونے کا حق ہی ان کے نزدیک نہ تھا؟ وہ کہتے تھے کہ اگر عورت حسین
نہیں تو یہ ہی کیوں؟ اسی لئے عالم کو دیکھ کر ان کے دونچے کھڑے ہو جاتے تھے۔
تی بھر کے کالی لور سے بیک سلائی کر سوائی کے ناکے میں سے تھمت لور۔۔۔
جسم مستحق کی کر تھیں۔ لوگ ان کے والدین پر دس کھایا کرتے تھے کہ نہ جانے
کس قسم کی سزا بھگت رہے ہیں۔ یہاں اچھی جلی حسین جیز دایاں اٹھانے نہیں
اتھیں۔ یہ اللہ کی رحمت "اے کون اللہ والا سیٹھ کا؟"

بیک سلائی دھری تھیں مگر صحت جانے کا بڑا شوق تھا۔ روزانہ شام کو
ریخت جاتی آدھکتیں۔ برسوں سے بیٹے مشین کھینٹے۔ پیر تلی ہوئی تھیں مگر کھال ہے
یہ ایک ہاتھ بھی مار جائیں "سارے کورٹ پر کھانے کی طرح اول جیل پید کا
کر تھیں۔ اس آٹاری پن پر مل کر اسے فوراً ریخت پیکر کر دم سے پیر جیوں پر
بند جاتے۔

"ارے عودا لئی صاحب اسے جلدی تھک گئے!" وہ اپنی پھولی پھولی
آنکھیں لپٹا تھیں۔ تھا عدیل سے ہائے کو چڑھی "جیسے اوپر کے کام لا پھو کر۔"
"رازش کچھ عودا لئی صاحب دودھ سونے تھل تھل ہو جائیں گے۔۔۔"
"شکر ہے آپ کی رائے کا عالم خاتون صاحب۔۔۔"

"بھرم۔"

"یہاں بھرم؟"

"کچھ نہیں۔۔۔" "عالم تال گئی۔"

"نہیں صاحب تلفظ نہ کیجئے۔۔۔ کہئے؟"

چڑی کی دُک

ہم تو ان کا عودا لئی تھا مگر دل دایاں انہیں پیار سے "ہائے" کہا کرتی
تھیں۔ وہ تھے بھی سر سے پاؤں تک ایک حسین اور دلچسپ ہائے۔ کئی سونے کی
طرح دیکھا رنگ۔ سونے کی کڑوں کو شہا دینے والے غم دار بل گھری سبز
آنکھیں۔۔۔ ایسی کہ ایک بار کوئی تل بھر کے ان میں بھانک لے تو غم غم
تھمتے بیگنوں میں بھٹکا بھرتے۔ جتنی جتنی مسکراہٹ ایک قمر کہ شہد ہونے کو
لی جاتی ہے۔ انہیں دیکھ کر خدا کی قدرت یاد آ جاتی تھی معلوم ہوتا تھا اپنی فرصت
سے جڑے لے کر انہیں گڑھا ہے۔

کس کئی ہی سے انہیں دل دکھانے کا پرک چاہتا تھا۔ گرد و فراغ کی تقریباً
سب لڑکیاں دلی "دُک" دل پار بجلی تھیں۔ جس محل میں چلے جاتے دل دایوں
کے کشتوں کے پتے لگ جاتے۔ شوہر اپنی بیویاں سمیٹ کر چمکتے ہو جاتے۔
کھاروں کی مائیں فوراً ان کی بیویاں اور ملاں پر داری۔۔۔ عودتے ہوئے نکلیں۔
کالی میں ہی تھے کہ بیچم بھرتے تھے۔ نوکر ہوئے ہی تو لوگوں نے پھلدار بیل دی۔
بیویوں کی سیلیوں کی تھل اس تیزی سے چڑھی کہ غار کا مشکل ہو گیا۔ دس
دھوڑوں پر دھتیں ہوئے نکلیں۔ ایک سے ایک ٹیکسی سونی میند مع گاڑیوں جیز
سے انہیں جیتنے پر تلی پڑی۔

اگر بڑا بیکاس ساتھ تھیں کھول کر سامنے پھیلا دے تو محل لوندہ جاتی
ہے۔ انتخاب مشکل ہو جاتا ہے۔ کیا حال چلارے "ہائے" کا ہوا۔ کبھی ایک پند
کئی کبھی دس سلی کبھی ایک ساتھ کئی کئی پند آ جاتیں۔۔۔ اور ہر سببی سے از
جائیں۔ کوئی ان کے مقابلے کی تھی بھی کس؟ وہ تھے بھی ہم کا اکہ ان کے سامنے
کوئی پان کا اٹھا تھا تو کوئی نسا دیا۔ دیکھ دل دایاں تو پوسے چلے سے زیادہ نہیں

"سب چاروں دل والوں کے خواب چمکا چر رہے تھے۔" عالم بد صورت ہی نہیں بدلتی تھی۔

"اس رات کسی کے سینے تصور میں فرق ہونے کی بجائے عبدالحی غصے سے چمکتے رہے۔" اسی دن۔ نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے کہ ہم جنت مری ہوئی پہیلی! خدا قسم بدلتی آتی ہے۔"

"بب عالم کو معلوم ہو کہ سچی اسے چڑی کی ٹوٹی کہتے ہیں تو وہ ٹھری کی طرح سینے میں توڑ میں خوب نہیں کہنے لگی۔" پہلو زندگی میں ایک بات تو عقل کی کہی۔ "دل دلیاں ہانے کے بارے میں ایسی کہانی کی باتیں سن کر راز تھیں۔" "تمہارے سینے میں تو دل نہیں بٹھنے کا تھا ہے۔" وہ جل کر کہیں۔

"کھا جسے کھام کی جڑ ہوتی ہے ہاں میں ٹکڑ نہیں بھینچتے۔" عالم فلسفہ بھانپتی۔ "کیا ارادہ ہے؟ کیا عمر بھر شادی نہیں کرو گی؟"

"کہوں گی کیوں نہیں؟"

"اور جیت؟"

"صحت بھر شادی کب ہوتی ہے۔ وہ تو طلاق ہوتی ہے۔" کوئی بھلا توئی مارتا نہایت شاندار عشق کیا ہانے گا۔ بلکہ۔۔۔"

"ہائے" کے بارے میں کیا خیال ہے؟

"زکر بھلے توئی کا تھا۔"

"تو وہ بھلے توئی نہیں۔"

"تو وہ کدو۔ بھلے توئی تو کیا ان کو توئی کہنا ہی دنا ہادی ہے۔"

"تقدیر مطلب ہے۔۔۔؟"

"عبدالحی توئی نہیں، مستحق ہیں! ابھی مجھ سے تو مستحق نہ سمجھتے تھے۔"

"اور کس کہاں میں گئے اٹھائی پھر دی۔"

"آؤ تم سمجھو یہ کوئی تمہارے گھرے اٹھائے گا؟"

"خود اٹھائے گا؟"

"کہوں؟"

"جسے غرض ہو گی وہ گھرے اٹھائے گا ہی۔"

"کبھی آئینے میں منہ دیکھا ہے؟"

"روز دو بکھتی ہوں۔ اور آئینے سے پوچھتی ہوں 'آئینے دے آئینے! ہے کوئی دنیا میں مجھ سے زیادہ حسین' آئینہ کہتا ہے 'ای توہ کیجئے۔' عالم اپنی بد صورتی کا خوب مذاق اڑاتی۔

ایک نسل کا حیرتوں پر ہزار بار کا آزمایا ہوا۔ جس کے استعمال سے عبدالحی ہریش سرخ رہا ہونے لگی۔ اور وہ تھا عشق کے میدان میں دشمن کو ٹھکانا۔ اسے اپنے عشق میں گرفتار کر کے سکا سکا کر اس کا حلیہ بگاڑ دینا۔ سخت محکوم ہادی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں ہیں وحوشے لڑکیاں پہل کر کے عاشق ہونے کی جلدی نہیں، پہلے ان پر عاشق ہونے کا عمل ٹانگ ٹھیلنا پڑتا ہے۔ رفتہ رفتہ ان کا ٹھیل ٹانگ ہی بن گیا۔ پہلی لڑکی سے انہیں خود بخود عشق ہو گیا تھا سولہ برس کے تھے وہ بھی اتنی ہی ہو گی۔ مگر انہیں شادی کے بازار میں ابھی آنے میں دیر تھی۔

پانچ سو سال بعد لڑکی کی شادی ہو گی۔ اور بب یہ برسر روزگار ہوئے تو وہ چار بچوں کی ماں بن چکی تھی۔ اس عرصے میں انہوں نے کئی عشق کیے۔ عشق کی مشق سے ان میں بڑی ہمتی آئی۔ ایسے ایسے کر انہوں نے سمجھ کر خود کو رے گل آنہیں اور مقابل جیت ہو جائے۔ ہاتھ اٹھا صاف ہو گیا کہ ہلکے ہچکچے فتوحات حاصل ہونے لگیں۔ مگر بھر کے دیکھا وہ چار بچے ہوئے بھلے کی ہوئی توڑ میں سرکاتے قہقہے بڑی بڑی آنکھوں سے پھندا پھندا اور مال قیمت سمیٹ کر چلے۔

مگر بد صورت لڑکیاں سے اعتماد عشق کوئی کیسے کرے؟ بد صورت لوگ

اپنے گرد چٹائیں کھڑی کر لیتے ہیں۔ حال مضبوط ہو تو کاکا لونٹ جاتا ہے۔ کم سن بھولی بھولی حینہ کو بھلاتا تو انہیں آنا تھا۔ اور کسے نہیں آتا؟ مگر عالم کی تو وہی شکل تھی۔ لونٹ دسے لونٹ جی کوئی سی گل سیدھی۔ رات بھانے کے لئے کوئی تو دد لائن چاہئے۔ کھڑے سے سر ہر روز کہاں کی دانتیں مٹتی ہو گی؟

ایک دن بھی ایسا نہ ہو سکی نہ چھائی تھی۔ ساری دل والیاں بھی مل کر اس ایک زخم کا مرہم نہ بن سکیں جو عالم کی اس قلم بندی سے رہنے لگا تھا۔ انہوں نے

بست جاں پھینکے، لیکن جلی کی بھٹیوں کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آیا۔ سوچا ظاہری حسن کے ذکر سے کھرا کر کچھ دھاتی حسن کا ذکر پھیلوا جائے۔ مگر حالہ فرس میں دھاتی کر دی تھی۔ بصورتِ بہت سے اسے دیکھیں نہ تھی۔ دیکھو وہ کچھ زیادہ دشوور اور خوش فوجی نہ تھی۔ نہایت نرمی، کج بحث، آواز چٹکی تھی مگر تھیں کڑوی کیلے۔

معتیٰ چنگے۔ کھپائی ملی بن گئے۔ اب وہ ذائق میں قہقہے لگا کر اپنی اسی سے کہتے "معتیٰ اس صید"۔ ہرینس کو ہمارا پیغام بھیج کر ہم اس پر ایک پھوڑا ہزار جان سے عاشق ہو چکے ہیں۔ اسے پر کی دوڑم فرما، دلائی اسی خوشی ذات یہ حرکتیں کرتی تو اس کی ناک چوٹی کٹ جاتی۔ لیکن بننے کی ہر دھڑکی پر وہ بھی بھڑکی نہ ماتی تھیں۔ جب کسی لڑکی سے چٹک بچھانے تو وہ بھی ہونے والی ہو پر عاشق ہو جائیں۔ اس کے وہ چہرے چھلے کر تھیں کہ قہ۔ ہر رب سخی اکٹا جاتے اور ان کا وہ بدل جانا تو اس کا مشق بھی یک وقت دف بکر ہو جاتا، نہیں بھی دکھائی رہتے تھیں۔ کج ہے وہی ساکن ہے جس کو چاہا ہے۔ ایک دم اس کے خاندان سے کسی بات پر لا جھٹیں اور بننے کی چٹ دیکھنے کو کہہ دیتیں "اسے معنی اس لڑکی کے طور طریق ٹھیک نہیں چہ چہ کے ذائق اتنی ہے۔" اس کے بعد بھمت اس لڑکی کی شادی ہو جاتی، داکس مل کی مرست کرانے روانہ کردی جاتی۔ اور فی امیدوار کے سامنے اس نہیں مل کر خوب اس کا لاق اڑاتیں۔

"اسے معنی ذرا سیدھے منہ بات کر لینا تھا تو اندر ہی ہو گئیں مجھے تو پہونی آکر نہیں بھاتی تھی۔" ہر سب مل کر کوئی فی لڑکی پسند کر تھیں۔ اس کا آنا جانا بھتاسی ہر سب سے کچھوں اور چھوٹے کے سامنے ذکر پھیلتے۔ مگر حالہ کے لئے ذائق میں بھی پیغام بھیجے گا اگر سن کر چاہت کی مادی اسی سم لگیں۔

"چاہتا یہ ذائق پر اتنی لڑکی کا اڑانا اچھا نہیں، ہر لفظ نہ کہہ ان کے بدوانے قبول کر لیا تو۔۔۔"

"تو کیا ہوا؟ بس چار۔۔۔ بس ہونے لگے۔"

"مجھے ایسی باتیں ذرا نہیں بھاتیں۔ ان کے بدوانے ہی تو بدوانے ہیں۔"

"تو کیا ہم ان کی ساتھ لڑی کو کھلی دے دے ہیں۔ پیغام ہی تو بھیج دے ہیں۔"

"میل بہت دیر لائے۔ وہ تو سر آگھوں پر اٹھائیں گے پیغام۔"

شرارت حد سے گزر جائے تو کینہ پناہ بن جاتی ہے۔ یہ ذائق کچھ اٹکا پھوٹا ہاتھ حالہ کے کانوں تک پہنچی۔ سب نے سوچا کہ سن کر وہی تو ہنسے گی۔

مگر وہ کچھ ہنسنا حالہ نے سنا تو کان پر ہاتھ رکھ کر بولی "ناہیا۔ میں کس طبیعت کی فصل پر سے ماری مگر کھیاں اڑائی بھوں گی۔ ہر اچنی صاحب نصیرے مشفق ان میں کسی کا شہرہ یا بچوں کا باپ بننے کی صلاحیت ہی نہیں۔ مجھ جیسی بد صورت عورت کی بھی یہ سزا نہیں ہونا چاہئے۔ ایسا بھینہ دھلا گئے کیسے پیغام ہو۔"

"انگور کھنے والی بات ہے۔ ایسا حسین دھلا مل جائے تو۔۔۔" دل دایاں کھسک گئیں۔

"ناہی میں کیا کدوں کی مبین دھلا کا؟ کوئی مجھے کراٹے پر چلا ہے؟" معنی نے سنا تو ان کی طرف بھمت لگے "بہت سارے ہے کم بخت! صورت سے بڑھ کر دل کٹا ہے۔"

لوہر حالہ اپنے فحش پر لگی ہوئی تھی۔ بڑے مشن بھی کا فتم ہو گیا تھا۔ اس کا ذکر بھی پیکا پڑ چکا تھا۔ خفا کھد تھی۔ معنی نے وہ کھلا کر دو تھیں اور ہاتھ مارے۔ ایک بہت کافرا کستان سے بھی آئی۔ مگر مطمئن ہو کر مل ایک پھوٹ کے لئے نہیں، ہاں دلدلا کو امپورٹ کیا جا سکتا ہے مع امریکن فرم میں تو کڑی۔ حالہ نے سنا تو بک اٹھی۔ "اسے ہے انہیں ایک پھوٹ کر کے پھوڑے دھکا لگے جائیں۔ اٹھ کتنا قاتلہ دے گا تو کم کا بھی قاتلہ اور ملک بھی سرخرو۔۔۔"

دل دایاں گڑبڑیں۔ انگور کھنے اس نے تو قہوہ بول جائیں تو سب پھ۔ مگر حالہ اپنی بات پر اڑی رہی۔ مہدائتی خان کا دھوہ قوم اور ملک کے لئے فخر کی بات نہیں۔ ویسے عورت ذات کے لئے تو وہ ذہنی مل ہیں۔ وہ دلوں سے کھینچتے ہیں اور کھینچتے رہیں گے۔ ہر دھے کھست ہو جائیں گے پر یو جی میدان مارنے رہیں گے۔ نہ جانے کتنے گھر کھانسیں گے کھنکی کی دیوایاں بھگائیں گے۔ اور کتنوں کا دل خاک میں مائیں گے۔ معنی نے سنا تو خوب ہنسے۔

"اور اصل حالہ مجھ پر بڑی طرح ماحق ہے۔ میں نے مجھ پر کام کر رہی ہے کہ سب مجھ سے خوفزدہ ہو جائیں۔"

ابن یمنی تو حالہ کو کہنے لگیں۔ جہل ٹھوڑی سہارا اور اپنی امیدوار کے خواب دیکھنے لگیں۔ اسے ہے تو کو غضب سے کہ نہیں۔ شہزادوں کو شہزادہ دینے والی صورت اکل تکا بہت اور تکرار اچھا ہے۔ کبھی دیکھا نہ تھا۔

عید صاحب 'فرس' کے پروفیسر حالہ کو تھیس لگنے میں مدد دیتے تھے۔ چالیس چھتالیس برس کے ہوں گے بڑی کچھ سال ہوئے۔ دو بچے چھوڑ کر مر چکی تھیں۔ ان کی طرف سے حالہ کے لئے پیغام آیا جو منظور کر لیا گیا۔ حالہ کی بھی مرضی تھی۔ سچی نے ناؤ قشوں سے گھر میں اٹھالیا۔

"وام ملے ہوڑی ایک اندھا ایک کوڑھی۔ چلو وہ گھر نہیں بگڑے۔" جب شادی کی مبارکباد دینے گئے تو یوں ہی کہہ دیا "مگر آپ نے بھی کمرہ سے شادی کا ٹیبل کیا ہے۔"

"خیر زیادہ پور تو نہیں۔" بہت زیادہ پور ہیں۔ دوسرے ان کی کل نہایت غریب ہے۔ کہے الگ ہیں۔

"مجھ سے بھی زیادہ خوف ناک اکل ہے۔" "تعلیٰ ان کے سامنے تو آپ سمجھیں ہیں۔" "کی؟ بس تو پھر اس سے بہتر تو کہاں ملے گا۔ دوسرے — زیادہ صبر ہوتا چاہئے۔" حالہ چلی۔

"بڑے الگ ہیں۔" "وہیں کوہا سے کم سن ہوتا چاہئے۔"

"آپ کو ان سے محبت ہے؟" "آپ کو ان ہوتے ہیں تو پچھنے والے؟"

"آپ تو جانتی ہیں محبت میری باپ ہے اس لئے۔" "تھیس تھیس چار کر رہے ہیں؟" حالہ فیس پڑی۔

"ہو سکتا ہے؟" "میری تھیس تھیس چاہ کر آجائے تھ۔" "فرصت سے عشق کا پروگرام بنے گا۔" سچی نے قسم دیا۔

"ہیں؟ خیال برا نہیں۔" "باقاعدہ پروگرام ہا کر۔ سچی بھٹا اٹھے۔ "صاف کچھ گایہ نہایت چند ہیں کی بات ہے۔۔۔ ایسے محبت کی جاتی ہے؟۔۔۔ گویا یہ بھی تھیس ہو گئی۔" "نہیں؟ وہ آپ انکسپرت ہو گا۔ ٹھیک باطل ٹھیک۔۔۔ تو آپ کی جتنی رائے سے اگر مستفید ہو سکیں تو۔۔۔ دیکھ کچھ آپ سے سیکھا تو ہے۔ اور ازاں کچھ مشکل کام نہیں۔ آپ تو عشق ہیں کتنا کھٹ پانچ صفت میں میں ان صاف۔" حالہ نے ہانگی بھا کر کہا۔

"آپ تعلیٰ اٹھا رہی ہیں۔" "تو نہ کوئی مضائقہ نہیں۔ عید صاحب کچھ عشق و عشق کے ساتھ دلچسپی نہیں دیکھتے۔ نہایت پر یکجہل قسم کے تری ہیں۔" "آپ ان کے ساتھ خوش رہ سکیں گی؟"

"خوش رہنا اتنا مشکل کام نہیں۔ اپنا فیصلہ ہے جہاں تک میرا تعلق ہے غریب بد صورتی بڑی صحت کوئی با کچی مجھے آج تک بہت نہ کر سکی۔ مجھے نہیں ہے میں بہت خوش رہوں گی۔" "یہ شادی نہیں ہو گی؟" "نہیں؟"

"نہیں کہ آپ عشق کی جگہ کر رہی ہیں۔" حالہ اور عید صاحب کی شادی نہیں ہو سکی۔ سچی نے عید صاحب سے جا کر صاف صاف کہہ دیا کہ حالہ ان سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔

"نہیں؟" عید صاحب بھونچے رہ گئے۔ "نہیں کہ وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے۔" "ہیں؟ کس سے؟"

جیسے چپوں گزروں کے گھر سے کھینچتے ہوں۔ ایک طرف بھولتی ہی ہیں، سمجھوں چلتے چلی کر قرضہ ہی کھا دیتے گئے، ان کے سامنے بھولنے بھولنے دیوں کی نظارہ رکھی تھی جس میں لوہی جگہ لہوڑا آئندہ اپنے کابل پر آ رہا تھا۔

نکھرائی کی طبیعت خراب رہتی تھی۔ مانا ہی ان کے لئے المیوں ڈھرا کر نکھرائی کا حکم مقرر ہوا تھا۔ یہ اپنی کاچہ رحمت مائی کے بھولنے سے آگاہ میں تھا وہ روز گھر المیوں تو ذکر رنگ پر لگی نوکری میں بھر کے دے جاتے۔ خود اس کی بیٹی کے بھی بال چھوٹے وہاں تھا۔ اس کا سہاں بلے میں مارا گیا تھا، ناکھرائی صاحب نے اپنی کو خلی کے احاطہ میں اسے پکڑ دے دی تھی۔ رحمت مائی کو کچھ کم سنائی دیتا تھا اس کی بد نصیب بیٹی صلیبا دینا سے منہ موڑے کھات پر چڑی آسمو بلیا کرتی تھی، دلتا پر دن اس کی صحت گرئی جا رہی تھی۔

پس وقت ناکھرائی صاحب کے لال نے جنم لیا کہ خلی کے کونے سے ماتم کی صدا بلند ہوئی، صغیرا چھ پید ہوئے کے دس منٹ بعد چل بسی۔ کوئی دانی بھی مانا کی قوت نہ تھی۔ اچانک ہی چھ پید ہو گیا۔ رحمت مائی کو کچھ بھائی نہ دیا۔ آئول جیسے کانا چائے۔ صغیرا کو اس نے ہاتھ نہ لگائے دیا۔ ویسے ہی بچے کو بھولی میں ڈال کے ناکھرائی صاحب کے پاس بیٹلی وہ خود بھول گئے ہوئے تھے۔

اسے ڈاکٹری کے پاس لے جاتا۔ بال نہ کٹ دیا کہ وہ نہ جانتے بچے کو! انہوں نے جلدی سے مائی کو اندر بھیجا، ایسے سے رحمت مائی کا اندر چلا گیا، مانا کی کو اچھا نہ لگا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ دو کہیں رحمت مائی اندر گھس گئی۔ زس نے بچے کو لے کر قادی میں لیٹا اور میں لگا دیا کہ کچھ لورہ مائی نے کمرے میں قدم رکھا بچے کا بال کاٹنے تک زس نے مائی کے نواسے کا بھی بال کٹ دیا۔ کیا کول منول بچے تھے ڈاکٹری نے ناکھرائی صاحب کے بچے کو لگا کر سفید فرائگ پر پٹا۔ لیکن پتہ نہ کر اس کی دوا کی گود میں ڈال دیا۔ ان کے آسمو نکل آئے، صحت ہاتھ سے دس چکر سونے کے کڑے انداز کر ڈاکٹری کو پتا دینے اور پستے کی پائیں لینے لگیں۔ ناکھرائی صاحب بھی کڑے مسکرا رہے تھے۔

زس نے ڈاکٹری سے کچھ کما، وہ تین دواؤں پر چاکر جلدی سے اندر گئی، ناکھرائی بچے کو پلو میں لٹائے مسکرا رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کیلئے ڈاکٹری مٹانے میں رہ گئی۔

پور قدرت نے ایک قصہ لکھا کہ ناکھرائی کے بعد ہو کھلا دیوں کا ایک طوفان سارے گھر کو ٹوٹ پڑا، ناکھرائی کتنی تھیں جو بچے زس نے ان کی گود میں دیا وہی ان کا بہت ہے۔

نکھرائی لال نے جس پرستے کی پائیں لے کر سونے کے کڑے ڈاکٹری کو دے دیے تھے وہ اپنے گود والے بچے کو ہی پر پٹا دے تھیں۔ ناکھرائی سب ہوا کیسے؟ ڈاکٹری پرستے پائیں سے کمر نکلتی تھی کہ جو بچہ اس نے مانا کی گود میں دیا وہی ناکھرائی صاحب کا بیٹا ہے لیکن زس کتنی تھیں اسے اچھی طرح یاد ہے کہ اس نے ناکھرائی صاحب کے بچے کو گلابی قادی میں لیٹا تھا اور مائی کا نواسہ فیروز قادی میں لیٹا پڑا تھا۔

دوا کیا میں اپنے بچے کو نہ پچانوں گی؟ ناکھرائی فیروز قادی کے پکر میں نہیں پڑتا چاہتی تھیں اور ان کی گود کا بچہ پھل باپ پر کیا تھا بال فیروز قادی پر تھی۔

لیکن ناکھرائی صاحب کو دونوں بچے گوشت کی بوٹی کی شکل کے معلوم ہو رہے تھے۔ مانا کی کتنی تھیں ان کی گود والا بچہ ہی ان کا پتا ہے کہ اس کی طرف ان کا کلبہ پہنچ رہا ہے۔

لیکن ہر سب چپ ہو گئے۔ رحمت مائی سون سے گئی بیٹی آئیں، پٹا دیا تھی۔ سب سے لوگ بیٹی کا کفن دینی کرنے آئے ہوئے تھے وہ نواسے کو کیا پچااتی وہ تو خود کو بھولی ہوئی تم کے بوجھ سے دلی جان بیٹی کی موت کا دھکا سارے میں بیٹی ہوئی تھی۔

نکھرائی نے بپ مائی کے نواسے کو دیکھا تو بھول چکی وہ کہیں نہ جانتے کیا ستر سار ہوئی کہ وہ وہ کر پٹان ہو گئیں۔ لوگ آئیں دھوا کھان دے رہے تھے۔ ٹھیک

کتنی ہیں مامانی، ان کی گود کا بچہ ہی ان کا پوتہ ہے، لیکن جب ترس ان کے پہلو سے پھٹ اٹھنے لگی تو بھی اٹھیں۔

بہر سب بالکل بدحواس ہو گئے۔ گھرانے کو فٹ پڑنے کا اندیشہ ہونے لگا۔ وہ دونوں بچوں کو سمیٹ کر اڑائیں کہ میرے تو جڑواں پیدا ہوئے ہیں تم لوگ طوفان بوز رہے تھے۔

دوسرے دن ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ سب سوچ رہے تھے کہ دن کی روشنی میں دودھ کا دورہ پانی کا پانی ایک ہو جائے گا۔ اپنا بچہ ہوا چھپ سکتا ہے، غلوں کی کشش بھی کوئی چیز ہے۔ لیکن جیسے ہی ان کے پاس سے ایک بچہ اٹھیا جانا وہ اپنا فیصلہ بدل دیتی۔ گھرانے کی ایسی حالت ہو گئی کہ بڑا ڈاکٹر بلوا دیا۔

اور سارے غلہ میں غلہ بیل کی کہ بچے گڑھے ہو گئے اور کھلے سے بات ضرور تک پہنچی۔ بچے بیٹھ گئے ہونے لگیں۔ کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ نہ رحمت مائی حرافہ ہے، جان بوجھ کر ڈاکٹر کہلایا گیا ہے تاکہ اس کا نواسہ بیٹھ کرے اور چھوٹا خاکر صاحب کا بچہ بھیک مانگے۔ گھور باپ ہو جائے گا! ایک ہندو کا بچہ مسلمان کے گھر میں بچے کا مسکرتی کو جھیس گئے کی، یہ ایک گروہ کے لوگوں کی رائے تھی۔

دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ خاکر صاحب نے جان بوجھ کر کہلایا کیا ہے۔ اس طرح وہ ایک مسلمان بچے کو اپنے قبضہ میں کرنے پر تے ہوئے ہیں۔

ٹوب بھٹیں بھٹیں کئی ٹکڑوں میں جکا کھیل گیا ایک ہندو لڑکے نے ایک مسلمان کو تھپڑ مار دیا۔

بس تی ہر چار چھوٹا بیٹیں۔ خون خرابہ ہونے لگے پولیس والوں پر ذات مٹی، بلوے پر قاتل یا لایا گیا، ہندو میں پتا چلا ہندو لڑکے نے بٹے تھپڑ مارا تھا وہ مسلمان نہیں ہندو ہی تھا۔

سب بھرت بلوے میں دلچسپی رکھنے والا گروہ ہوا اور دلوہ چوتھا گیا۔ دونوں فرقوں کے بچے اور بیکٹیں ہونے لگیں۔ وفد افسر اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فوراً پرنسپل صاحب مع سارے بچوں کے دروازے آئے۔

"دونوں بچوں کو قلعہ ہونے تک سرکاری ہسپتال میں بھیج دیجئے" کیوں کی میں اپنا انکو تاپہ خیراتی ہسپتال میں کیوں بھیجوں؟ خاکر صاحب اڑ گئے۔

لیکن سوال یہ تھا ان کا بچہ کون سا ہے؟ گھرانے نے دو دو کے برا حال کر رکھا تھا۔ کبھی ایک کو پھانسی سے لگائیں، پھر دوسرے کی طرف کھینچے لگتا، انہوں نے کہہ دیا ایک بھی بچے کو کسی نے ہاتھ لگایا تو وہ مٹر کر دیں گی۔ پولیس میں بہت ہے کہ بچہ کو لے جائے!

ظاہر ہے ایسے وقت میں گھرانے سے خود باز رہنا انہیں قحط کرنے کے برابر تھا۔ ان کے دماغی توازن بگڑ جانے کا اندیشہ تھا۔

ویسے سب ہی کا دماغی توازن ڈانگرا رہا تھا۔ خدا نے برسوں بعد ایک بچہ دیا اور وہ بھی اس کھٹلی میں پڑ گیا۔ اس کی وجہ سے خون خرابہ ہو رہے ہیں۔ خاکر صاحب خیران وہ پریشان تھے اور بے بس تھے۔

بچوں کو ذرا بڑا ہونے دیجئے، ہندو دو ہندو میں کچھ ٹاک نقشہ نکل آئے گا۔ بچکان پڑ جائیں گے، لوگوں نے رائے دی۔

رحمت مائی چوکھٹ پر شعلی دو رہی تھی۔ صبا کی کر کے اس کا نواسہ دینا چاہتے تو وہ اپنے وطن پہلی ہجرت لے جا کر کسی آنکھوں والی خدا ترس عورت کی گود میں داخل دے۔ بے ہاں باپ کا بچہ چلے تو جائے گا! اب وہی دنیا میں اس کا سب کچھ تھا۔ ڈاکوئی بیٹی کی آخری نشانی!

اور جب بڑھیا کو حقیقت سمجھانے کی کوشش کی گئی تو وہ بچھاڑیں کھانے لگی۔ مجھ راء! خاکر صاحب نے کہا، وہ دو کبیرت کو بچہ کہ باپ کہے!

سوال یہ تھا کون سا بچہ؟
"کچھ انو مٹی کو کچھ نہیں سمجھتا" تم آنکھوں والوں کے بھی دوسے پاوت کچے۔" رحمت مائی بڑبڑا رہی تھی "غریب بڑھیا کا نینا ادا ہے تو دوسری بات ہے۔"

بڑی جھک جھک کے بعد ایک بچے کے حق میں فیصلہ ہوا کہ وہ بڑھیا کا نواسہ ہے۔ لیکن اس میں ایک دم مامانی کو اپنے بیٹی یعنی بچے کے دوا کی شایہ نظر آئے۔

گئی۔ وہ چھاتی بیٹے لگیں۔

اب تو رحمت مائی کو چھین ہو گیا کہ یہ لوگ اسے بھاندر دے رہے ہیں۔ وہ بھرت کر دہائی کر بیٹھے مل گئے۔

دارتے دارتے پھر وہ سرے کے حق میں ٹیٹھل گیا کہ۔ لیکن اسے لے کر رحمت مائی انٹرنی تک مشکل سے گئی ہو گی کہ ٹھکانے کے دانت متوجہ کئے اندر سے بھاگ جانے لگے۔

دارا سوچ تو نے دھیمالے جا رہی ہے "دارا اصل دی ان کا پتہ ہے۔ کوئی کارنٹ کر سکتا ہے کہ صحیح واقعی سلجھ گئی۔ ٹیٹھل ٹھیک ہوا ہے؟
جسے سوچا بھار کے بعد ٹھاکر صاحب نے رحمت مائی کو سمجھایا۔

"تم پہ پل تو نکلتی نہیں کسی سے پلاؤ گی۔ مجھے پل لینے وہ تم بھی جیسے واقعی نہیں رہو۔ تمہاری نظروں کے سامنے رہے گا" ٹھاکر صاحب جانتے تھے "بیٹے" وہوں نظروں کے سامنے رہیں گے۔ لیکن ان کا پتہ تو کھو گیا۔ وہ اسے پ رہے تھیں کے ساتھ نہیں دیکھ سکتے شک کیسے دور ہو گا۔ انہیں ایسا بھی کیا ہے بڑے ہو کر صاحب بچانے جائیں گے۔ مادھنی "مصلحتیں کہاں چھپتی ہیں۔ رحمت مائی چپ چاپ مٹنی دی پھر رہی۔

صاف بات ہے ٹھاکر صاحب پتہ قہ کے پل لے آپ کے دھرم پر چلے گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے "مشرکے دن خدا کو کیا نہ دیکھاں گی کہ ایک موسم کا پتہ کارنا دیا۔ میری حالت خراب ہو جائے گی اور پھر بڑے مولوی صاحب تو جماعت باہر کرنے کو کہتے ہیں۔ میری تو چھتہ ہی مٹی چلید ہو جائے گی۔ خدا کا واسطہ میرا پتہ مجھے دے گا۔"

"تمہارا پتہ میں دنا چاہوں تم بھی نہیں دے سکتا۔ پل اگر تم سوچتی ہو کہ تم اپنا نواسہ بچان سکتی ہو تو میں تمہارا یہ حد شکر گزار ہوں گا۔ میری مشکل بھی دی ہے ہو تمہاری "میرے اور بھی لوگ دہڑا ڈال رہے ہیں۔ سمجھتے ہیں میں جان بوجھ کر رہا ہوں "مسلطین پتہ پزیر کرنا چاہتا ہوں۔

"مور مجھے کہہ رہے ہیں کہ آپ کی دولت کی لالچ میں جان کر میں نے یہ سارا سواگ دھپلا ہے "آپ کو یہ قوف بنا رہی ہوں۔"

لیکن شرمیں طوطان اٹھا ہوا تھا۔ انہاروں کے دارلہ خیر بیکل دی تھی۔ ساتھ ساتھ آگ بھی بیکل دی تھی۔

اسلام ٹھہرے میں!

بعد دھرم شت ہو رہا ہے!

غیرے لگ رہے تھے۔ مذہبی پارٹیوں سے آگے بڑھ کر بات سیاسی پارٹیوں نے ایک لی تھی اور پلے ہو رہے تھے۔ فخر بیج کے جا رہے تھے۔ ایک دوسرے پر مکہ کی اچھالی جا رہی تھی۔

"مک کے ساتھ باضانی نور ظہر!"

"مک کا بھادر کافی نہیں" آپ ہر گھر میں ایکٹ بھوڑے جا رہے ہیں۔"

"ہارن کی طرح بیٹے طو جانے جا رہے ہیں۔"

"یہ سب کھلاٹ کی کارستانی ہے۔"

"ہوسکت ہے زبردست چوٹ!"

"اس میں لیکن کا ہاتھ ہے "ہمارے نظام کو درہم برہم کرنے کیلئے۔"

"ہی اتنی اسے سہارا کر رہا ہے۔"

"مادی بھوڑا!"

اور پھر پارٹیوں میں اس سوال پر ہوتے چل گئے۔ بھوت چڑنے لگی۔ فضا میں ڈانگے لگیں۔

اور کبھی لوگ رحمت مائی کو بھڑکاتے "اور وہ خدا کا قرہنی ہائی۔ نہ ایمنی طرح میں نہ دیکھ پاسے نہ ہاتھ پیراں ہے تو۔ ایک دم کوئی گھوٹچ پر اتر گئی کہ ہو کھلا کر ٹھاکر صاحب اسے ایک کے بجائے دووں بیٹے دے دینے پر راضی ہو جاتے۔

لیکن جب وہ بھی مطمئن نہ ہو پائی کہ اپنا نواسہ ہی مل رہا ہے تو غصہ اور جھنجھلاہٹ میں آخر چ نکٹ ہاٹھا پھوڑے لگتی۔

"اللہ رسول کا واسطہ میرا تو اس لئے دیدا" وہ کھینچتی قوس کے نیچے موم ہو جاتے۔

ایسا بھی ہوتا تو کون کا دھماکا کسی دوسرے گناہ گرم سناور کی طرف بٹا ہوا ہوتا اور وہ بعد مسلم بچوں کے سوال کو بھول کر کسی اور مسئلے میں گرنے لگتا۔ جگہ جگہ تب رست مانی دھماکیں چھ چھ کر دونوں بچوں پر پھونکتی، اللہ پاک سب صاحب کتاب سمجھتا ہے۔ دھماکیاں اس کے نواسے کے کھاتے میں ہی بیج ہو کر اٹھتا اور اللہ کوئی خلیفہ نہ ہو گی۔

نظر اسی بھی سب بھول بھال کر سیدھی بدلی میں وہ جاتیں ان کے پیار کے پاسے دل میں وہ سے زیادہ بچوں کیلئے جگہ بنی تھی۔

بس ماما کی کی جان غیب سمیت میں تھی۔ ویسے وہ دونوں ہی بچوں پر اپنی جتنی ہوتی محبت بھلا کر کہنے کو تیار تھیں، لیکن ابھی تک انہوں نے اپنے پرے کو بھگوان کے چرخوں میں نہیں ڈالا تھا۔ کیسے ذاتیں کہاں تھا ان کا پرنا؟ اور خدا کرنے کی بار حبيب سے مدد نہ لیا کر تاس بھی کر دینا۔

لیکن دل کو سکون اور چین نہ ملتا۔ دوسرے گناہ گاروں کی انہوں نے ایک چھ مانی کو دے دیا۔ کیا معصوم وہی ان کا اپنا ہوا؟ انہیں جلد نیست پر مجبور تھا۔ خون کی جالی پڑنا ہونے کے بعد خود معصوم مل ہو جاتا۔ اس لئے بچوں کے دل بڑے ہونے کا انتظار تھا۔ اتنے چھوٹے بچوں کے خون نیست کرانے کے خیال ہی سے نظر اسی طوفان اٹھانے لگتیں۔ ویسے سب انہیں کو ہر دم کہتے تھے۔ ایسی بھی کیا ملی ہو چکی کہ نہ بچاؤ نہ اپنے۔ گائے گھری "کتیا" کی تک بچاؤ نہ تھی۔ آپ ہی آپ میں کو پتہ چل جاتا ہے لیکن نظر اسی اس بات کی تھیں کہ جیسے مٹی کا تودا۔

پہلے تو ماما نے سو کو ڈاکا پھنکارا م لیکن جب وہ دھماکوں دار دھماکوں اور تھیں کھائیں کہ داغی وہ خود بہت زور لگاتی تھی لیکن پتہ ہی نہیں چلتا اور نہ کوئی امید ہے کہ چل سکے گا بس ان دونوں سے ایک تو ان کا اپنا ہے ہی۔

اور شر میں کچھ صوبائی ایجنٹ شروع ہو رہے تھے مختلف گرو ایک

دوسرے پر میٹھے کس رہے تھے۔ ان دونوں کا سوال پھر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جب کوئی سختی اپنی کارگزاریوں کے بارے میں پھاٹن دینے کو کھڑے ہوتے بچوں کے اس الیہ کو درمیان میں خود تمسیت آتے اور جو چاہ کر یاں ان بچوں کے گنڈے ہو جاتے سے شر میں جھیل رہی تھی۔ وہ ان پر رائے لڑی کرتے اور زور شور سے وعدہ کرتے کہ اگر وہ ایجنٹ میں بیٹ گئے تو اس طرح کے خوفناک کھیلے باطل نہ ہونے پانچپہ گئے۔ کیونکہ وہ اپنے فرستے کے حقوق کی خاطر اپنا خون لینے ایک کر دیں گے!

خاصیت بھی پوچھنے والے نہ تھے۔ انہوں نے خدا کر صاحب کی قوم پر مٹی اور دور بچی کو سراہا کہ کس ہو شہادی سے انہوں نے مخالف فرستے کا پتہ بٹھا دیا۔ اگر ساری قوم میں ایسی ہی جاگرتی جھیل جاتے تو ملک کے سارے دلوں دور ہو جائیں گے۔

اس بیان پر مسلمانوں میں کھرام بک گیا۔ اگر اسی طرح مسلم بچوں کا فیض ہو تا رہا تو بہت جلد اسلام کے نام لیا مضم ہو جائیں گے۔ قوی دھماکوں کے دھو پ دھو سرکار پر زور ڈالنے کیلئے جاتے گئے۔ دونوں طرف سے جہاں کسی کی ایجنٹ سم لٹھ سے چڑھنے لگی "لوگ" لیکن حلیوں اور تکیوں کے ہنگاموں کے بعد وہ جہاں کی طرف سے بے قوتی برستے تو فوراً کھڑے رہتے بچوں کے کھیلے کا سوال پیدا کر دیتے ایک دم تو کونوں میں جان پڑ جاتی تھو وہ سے جہاں میں جاتے گئے۔

پھر وہ وقت بھی آ گیا کہ بچوں کا ہڈ نیست کیا گیا۔ ساری رات نظر اسی کو نہیں بدلتی رہیں۔ رام جاتے کون سا پتہ انہیں ملے گا۔ کون سا رست مانی لے جاتے گی۔ ان کی برہمن کی قری ہوئی ہوتا دونوں بچوں پر طوفان کی طرح پھٹ پڑی تھی۔ بار بار اٹھ کر بچوں کو تھکی رہیں۔ دونوں گول جھل ہو گئے تھے۔ دونوں کا رنگ گورا تھا، لکھتے ماما تھا ماما۔ ایک رات پتہ تھا "دوسرا بھوان" لیکن دونوں کے دادا پردادا ایک ہی جگہ کے پتے رہے ہوں گے۔ تھوڑے اور بڑے ہو جائیں تو پتہ پتے

کہ ابھی تو میں بچنی کے گڑے جیسے تھے ساتھ ساتھ سوتے جاگتے ساتھ ہی دودھ پیتے پائے جڑواں بچوں کی طرح ایک ہی جیسے معلوم ہوتے "دونوں میں سے وہ ایک کو نہیں جن بھاری تھیں۔"

فناکار صاحب نے باب بلڈ ٹیسٹ کے معنی سمجھائے تو زمین آسمان ایک کر دیا۔

"پائے! میں اپنے لال کا لہو نکالنے دوں گی" ڈاکٹر سے کہو کہ نہیں دیکھ کر جو فیصلہ ہو س کر دیں۔"

پھوٹی پڑی کون سی بیماری ہے جو ڈاکٹروں نے چھپی ہے وہ سب سب ہی کی پکڑ ہو جاتی ہے۔ مگر کون مائی کا مال ہے جو نہیں دیکھ کر مذہب یا عقیدہ بچاؤں جانتے۔

لیکن فخران کے دماغ میں یہ بات ٹھونکنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ ڈاکٹروں نے بھی کہا کہ ضروری نہیں کہ صحیح فیصلہ ہو جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ باپ بیٹے کا خون ایک گروپ کا ہو۔ فخران گروپ سوپ کیا سمجھتیں "میں یہی کہے جاتی تھیں" جو ڈاکٹر نہیں دیکھ کر نہ بچاؤں پائے "وہ پاکھنڈی ہے" ہوتے مار کے نکال دو۔ "دونوں بچوں کو لے کر کتنی چڑھا کر کمرے میں بیٹھ گئیں۔

ان کے اس رویے پر اور بھی رنگ برنگی افواہیں اڑنے لگیں۔

مصل میں فخران کا چچہ فناکار صاحب سے نہیں کسی اور سے ہے اس لئے وہ بلڈ ٹیسٹ سے سکڑا رہی ہیں۔"

انسان خشت "آدم خور ہے" اب کھانا حرام ہو گیا ہے۔ تو منہ میں پانی بھرتا ہے۔ چڑ کر دکھ بچایا کر ہی ٹیکہ لٹھاکر لٹھاتا ہے۔ ہسپتال توڑ پھوڑ اور کثرت چھانٹ سے ہی نہیں بھرتا۔ تو دل و دماغ میں بڑا کر کے جیواب بھرتا چاہتا ہے۔ اس انوار نے فناکار صاحب کو بھجھوڑ کر دکھ دیا۔ بیٹے کی خوشی تو ملی میں ہی تھی حتیٰ "اب دل میں ایک گھوٹے شک نے ڈبک افواہیں "سم کر پاس پڑوں" فخران "فخران کا وار کون ہے؟" جی چاہا اسی وقت تھیں کہ موت کے گھاٹ اُتار دیں "پھر اپنے جیسے میں

گوی مار تھیں۔

اوسر دست مائی حقیقت کے بورے سینچے پر تھی ہوئی تھی۔ بیٹے کے کام میں اذان دینے کیلئے مولوی لکلی تھی تب ہی مائاتی اور فخران "مام مام کہ اٹھی تھیں" بڑی درودخ کے بعد یہ فیصلہ ہوا فناکار فی الحال دونوں کے کان میں اذان دلوادی جائے۔ اٹھ کاہن کان میں پڑنے سے کوئی قصاف نہیں۔ باب مولوی اذان دے کر سوا دہیہ پی پی چپ کے حساب سے اعلانی روپے لے کر چلتا ہوا مائاتی نے دست مائی کی میں میں کی پادلو کئے اخیر بچوں پر نگاہ چل پھڑکا اور آرتی اُتار دی۔

اب دست مائی کو بڑا کٹھن رہی تھی "چپ کی مسلماناں ہو جائیں تو اچھا ہے" پھر بڑا ہو گیا تو تکلیف زیادہ ہو گی۔

لیکن فخران بچوں کے متعلق کوئی بھی پھری چاتو دال بات نہیں سننا چاہتی تھیں۔ انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر ان کے بیٹے کو ہاتھ لگایا تو دست مائی کی گردن کٹ دیں گے۔

بیٹے تو بیچ گئے۔ لیکن اس بات پر ہنگامہ ہوا۔ اور وہ چار گڑ میں کٹ گئیں۔ بات بدعتی چلی گئی۔ مکہ نہیںوں نے دست مائی کے کٹنے کو آگ لگا دی اور وہ اپنا سنان سمیٹ کر کوٹھی میں لے آئی۔ فافھیں کیوں پیچھے بیٹھتے۔ بوت مار تو مکہ لوگوں کی کھنی کا واحد ذریعہ ہے۔ کام کی پچھری لوٹ میں کوڑا جلا دیا۔

اس وقت وہ ایک پارٹن میں زوروں کاہرنا چل رہا تھا۔ حکومت کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے میں مکہ دیہ نہیں گئی۔ لوگ دیہے ہی منگانی ہے روز گھری اور گھروں کی تخت سے بھرے بیٹھے رہتے ہیں بات بات پر اسٹرائیک اور بند لگ جاتے ہیں۔ فرقہ وارانہ فساد شروع ہو جائیں۔ تو سارے بند اور اسٹرائیک بھول کر لوگ فرقہ پرستوں کو گالیاں دیتے ہیں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اس طرح جو غریب مجبور لوگ مارے جاتے ہیں تو کچھ آبادی کے مسئلہ پر بھی غورگوار اثر پڑتا ہے۔ لیکن ان دو بچوں کے مسئلے نے بے حد کشیدہ صورت اختیار کر لی۔ دست مائی کا کھانا جلا دیا گیا۔ اس کے جواب میں فناکار صاحب کی کوٹھی جلانے کی کوشش کی گئی۔

ملا کہ کوٹھائیں میں ملتی رہتی تھی، خاکر صاحب ہی کا تھا۔ لیکن انتقام میں اصل کون ضائع کرے۔

مسلمانوں کا ایک لمبا جلوس کوٹھی کے گرد آکر دکھائے غصے گھٹنے لگے۔ عراب میں فوراً دوسری طرف سے ہندوؤں کا مجمع آگیا۔ اور باقاعدہ مورچے قائم ہو گیا۔ رحمت ملتی بھولی برسی آنتیں چند چوہ کر چھوٹنے لگیں۔ اور ٹھکانے نے بچوں کو گود میں لے لیا اور کوٹھے پر جا کر روت گئیں۔ زندہ ہوا خاکر صاحب ہندوئی ملک کر کھڑے ہو گئے۔ دیکر چاکر کھڑکیوں، دروازے بند کرنے لگے۔

باہر باقاعدہ دونوں مورچے ڈٹے ہوئے تھے۔
"رحمت ملتی کو جبر سے کھڑا کیا جائے اور اس کا نواسہ اس کے سپرد کیا جائے۔"

مسلمانوں کی ہانگ تھی۔
"رحمت ملتی، اور اس کے نواسہ کو ایک خاکر کا کھر کندہ کرنے کے جرم کی سزا ملنی چاہئے۔" ہندو کہہ رہے تھے۔

"رحمت ملتی زہرہ پادا!"
"رحمت ملتی مورہ پادا!"
اور رحمت ملتی خوش حسنی سے اوپا پاتی تھی۔ صرف وہ گل سن رہی تھی جو اس نے اپنے جان و مال کی موت سے پہلے سنا تھا۔ ہاتھوں کے بعد فریجیں ایک دوسرے پر لپکتے پھرتے گئے، پھر چاقو اور چھوڑاں نکل آئیں۔

خاکر صاحب فون پر فون کر رہے تھے۔ دھڑا دھڑا انہوں نے ہوا میں چند ہاتھ بکے، بلوائی ایک دم بڑبا کر بھاگے۔

"سنو بھائی! سنو!" خاکر صاحب چپائے مجمع فٹھک گیا۔ انہوں نے پورے مجمع پر ایک اڑتی ہوئی ٹھکانا ڈالی۔ لوگ آج کل ایسا لباس پہنتے ہیں کہ اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون ہندو ہے، اور وہ کون مسلمان! زیادہ تر میلے کپڑے لنگر اور اونگھے پتلون پہنے ہوئے تھے۔

لوگ بھر جانے لگے۔

رحمت ملتی کو دبا کر اچھڑا دیں!!

"رحمت ملتی ڈانٹ ہے! اچھڑا چھ ہے! نکالو دونوں کو!" اچھا اچھا میں نے سن لیا۔ میں وعدہ کرتا ہوں! آپ لوگ کل صبح شریف لاپتے آپ لوگ جو فیصلہ کریں گے، آپ سب کے سامنے اس پر عمل کروں گا۔ ٹھیک؟"

تھوڑی دیر کھینچ بھڑکی بچی رہی۔ پھر لوگ اپنی رائے دینے لگے۔ وہ کیا کرنا چاہتے تھے، یہ خاکر صاحب نہ سن پائے۔ کیونکہ اسی وقت پولیس کی جھببیں سنسنائی ہوئی تھیں، آتے ہی دکان فائرنگ ہونے لگی۔ جیسے ہوائیوں کو بلوہ کرنے کے بجائے بے دھاتی سے سمجھوتہ کر کے دیکھ کر پولیس چڑھ گئی ہو۔ دم بھر میں میدان صاف ہو گیا۔ خاکر صاحب نے تمام تحصیل جلی، اور بدقت چھیننے کا شکر ادا کیا۔

خاکر صاحب آپ آگ سے نکلیں رہے ہیں، غصہ کچھ اس مذاق کو۔ رحمت ملتی اور اس کے نواسہ کو ہم پولیس کی حفاظت میں لے جاتے ہیں۔۔۔۔۔"

خاکر صاحب سر ہٹائے سوچتے رہے۔ واقعی آپ انہیں فیصلہ کرنا ہو گا میں کام نہ چنے گا۔

"میں جلد میں عمل چڑھا ہے۔ یہ آگ بہت خطرناک صورت اختیار کر چکی ہے!"

"کی میں کچھ گیا۔ آپ باطل غرر نہ کریں۔ جیسا آپ کہتے ہیں ویسا ہی ہو گا۔"

"تو پھر نہ کچھ!"

"آج اور رہنے دیجئے" رحمت ملتی کی طبیعت بھی اچھی نہیں ہے، رہے ہیں۔ ہنگامہ تو مکی تینو میں بھٹان ہو جائیں گے۔ پھر ٹھکانے کو بھی بھٹا ہے۔"

"وہ کچھ جائیں گی؟"

"نہیں نہ سمجھیں گی! ایک دن تو فیصلہ ہونا ہی ہے۔"

پولیس افسر کے جانے کے بعد وہ اندر نہیں گئے، باہر ہی بیٹھے رہے۔ سارے لائن پر چغڑا کی وجہ سے ایسٹ چغڑا رہے تھے۔ وہ جی چاہا کچھ کہتے رہے۔

پھر وہ اندر گئے بچوں کے کمرے میں زیرِ پاؤں کا بیڑا بلب بلب بول رہا تھا۔ ہلا کمرہ نیچے پردے، نیلی روشنی میں جیسے آکاش کا کوئی لہر آگوا تھا جہاں وہ نئے نئے فرشتے بیٹھے خیر سو رہے تھے۔ سلیڈ پہ لی بیڑ پہ دونوں بچے اڑے سوئے ہوئے تھے۔ ٹھکانی کی دن سے ٹھکانہ کر دی تھیں کہ بچوں کیلئے ایک اور بڑا ٹھکانہ ہے، بڑے ہو رہے ہیں، ایک دوسرے سے ہاتھ داریں گے، وہ مسکرا رہے۔

بعدِ مسلمان ہر ٹھکانہ کھولتے نہ چاہیں گے تو کھانا کیسے بہم ہو گا۔
"خیر سے وہ بچوں کو دیکھ رہے تھے جیسے پوچھ رہے ہیں۔"

"تم کون ہو؟" جیسے بچے واقعی بول رہی ہیں گے۔

ٹھکانی پہلے تو بہت جگہیں۔ لیکن جب معلوم ہو گیا کہ کوئی اور چارہ نہیں تو دونوں کو ایک ایک کھینچے، والے ساری رات بیٹھی سکیں، برقی دیں، صرف ایک رحمت مائی تھی جو چڑی خزانے لیتی رہی تھی اسے اس کا نوٹس مل گیا ہو۔ مائی سب نے رات آنکھوں میں لگات رہی۔

صبح سب کے چہرے پہلے ہو رہے تھے۔ ٹھکانی کی آنکھیں سوچ رہی تھیں۔

پھر بیٹھے کا وقت آیا۔ دربار سالوگ کھانا دیکھنے میں بیٹھ ہوئے۔ پولیس کا انتظام چل کر صرف کھانا، خانا، صاب، برکے میں بیٹھے تھے۔ ٹھکانی نے دونوں کو نندا کر پکار کیا۔ کرتے پہنائے۔ کاہل ڈال کر نظر کا پڑا، ماتھے اور ہاتھ کے کوسے میں لگایا، پھر آنکھوں کے حق کھول دیئے۔

"رحمت مائی اپنا نوٹس اٹھاؤ۔"

"ہمیں؟" رحمت مائی کہانی۔ "ہم ہی دے دو ہوئی؟"

"ہمیں اپنے ہاتھ سے اس کا سیلا پہننا بھی نہ دلیں گی؟" راجہ جی فرمائی۔

"ہلدی کو مائی باہر لوگ انتظار کر رہے ہیں۔"

"انتظار کر رہے ہیں تو کہنے دو، خدا کی باران کی صورتوں پر!" اطمینان سے وہ کہتی۔ کھینچے پھانکی منہ ہی منہ میں کسی کو کوئی اٹھے۔ ایک چپ اٹھا اور باہر چلی۔

"اسے مائی سنو؟"

"کابے کو؟" وہ فرمائی۔

"بچپان لیا؟" ٹھکانی نے مری آواز میں پوچھا۔

"ہاں، ہاں، کبھی نہ بچپانوں کی۔ میرا نوٹس ہوا؟" وہ ایک کرباہر چلی گئی۔ ٹھکانی کا دل ساتھ ٹھپکا چلا گیا، انہوں نے پہلی بیڑ میں لیٹے بچے کو دیکھا، جیسے وہ کوئی اٹھی ہو۔ آج پہلی بار ملاقات ہوئی ہو انہوں نے اسے گود میں لے لیا۔ لیکن گود خالی ہی رہی۔

باہر جا کر رحمت مائی نے مجمع کو دیکھا کہ شکر خدا کا کہ اس کا نوٹس مل گیا۔ سب خوش طواری پہلے گئے، ٹھکانے پہلے مجمع کو دیکھا، پھر گود کے بچے کو دیکھا، اور بیڑوں پہ اڑتے اڑتے دک گئی۔ کچھ دیر چنہ می آنکھوں سے دیکھتی رہی، پھر ایسے بلی جیسے کوئی جی بھول آئی ہو۔

"اے ہوئی! میں اس گودے کو نہ پہچانتی۔"

مائی نے چپ ٹھکانی کی گود میں ڈال دیا۔



خدمت گار

کئی دفعہ تم سے کہا ہے کہ بھی جلدی لایا کرو۔ مگر سختی میں "میں نے پہیلی سیٹ پر کتابیں بیچ کر کہا۔" "اچھا مجھے سے ہانگوں کی طرح شل رہی ہوں۔" غصہ خدا کا دعائی بیج رہے ہیں۔ خدا کی قسم آج ہمارے حضور کون کی کہ ہمارے وقت پر موڑ نہیں لائی جاتی تو میرے لئے "سرا انکلام کریں۔" اور میں کتابیں سرکار کر چکے تھی۔

تو سرکار باراض کیوں ہوتی ہیں۔ کل ذرا جلدی لایا تو فرمایا "اسی جلدی لے آتا ہے۔" میں لا بھری میں چاہ بھی نہیں پاتی "ہمارے بد فیضی سے میری فصل کرتے ہوئے کہا۔

"چپ رہو" ایک تو لعلی کرتے ہو اور اور سے نزاتے ہو "میں نے بھڑک کر کہا۔

"اتنا غصہ کریں گی تو سوک کر لکنا ہو جائیں گی" ہمارے کچھنا اٹھل ہا کر کہا۔

"دیکھو ہمارا ایک بیک مت کرو" میں نے غصے کو قائم رکھنے کی کوشش کی۔

"تو پھر آپ بھی۔۔۔۔۔ تو پھر آپ غصہ کیوں ہوتی ہیں" ایسا براہ منہ گئے گئے ہے۔

"تساری ہا سے"

"تساری ہا سے" اس نے اڑا کر نقل اندازی۔

مجھے ہنس لئے تھی۔

"آج تو مارے غصے کے پیچھے جا بیٹھیں۔ آگے آئے؟" اس نے کوئی کھول کر غم دیا۔

"نہیں" ہلکا بک نہ کرو۔ جوں میل ل جا ہے گا بیٹھوں گی۔"

"سچا تو پھر چاہئے خود" ہم سے نہیں چلتی "اس نے نہایت لاہواری سے کوئی سے سارا لے کر کہا۔

"ہمارے شاید تم بھول رہے ہو کہ تم تو کرو" میں آج لانے پر تکی ہوئی تھی۔

"تو کچھ میں اشتعلی رہتا ہوں" اس نے "وہ موڑ سے ہٹ کر زمین پر انگوٹوں چوڑ کیا اور لاہواری سے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"ہمارے بد مزاجی مت کرو" مجھے واقعی غصہ آ رہا ہے "میں نے ہلکا کر کہا۔

"واقعی!" اس نے ہنس کر مذاق اڑایا۔

"ہمارے سیدھی طرح موڑ چلاتے ہو کہ۔۔۔"

"تو پھر آگے آئے۔" ایسا غصہ ہوا لیکن یہ جھوٹا ہوا۔ آپ کا پورا براہ منہ دیکھ کر کچھ میرے ہاتھ ہی بھول جاتے ہیں اور موڑ ملت جاتی ہے اور۔۔۔۔۔"

"نہیں آج میں پیچھے ہی بیٹھوں گی" میں نے مسلحہ پر وضاحت ہوتے ہوئے کہا۔

"نہیں آپ آج آگے ہی بیٹھیں گی۔ اب معلیٰ ہو مانگ لی ہے۔" اس نے خوشامد سے کہا۔

میں اتر کر آگے چلے گئی۔

"اگر آپ آگے نہ بیٹھیں تو میں موڑ تھوڑی چلاؤ" وہ شرارت سے مسکرایا

صبر ہے جاہو "میں نے کہا۔

"کون؟" اس نے ایسے کہا گویا وہ خود مجھے بے حیا سمجھتا ہے۔

"بد فیضی میں آج حضور اہا سے کھول گی کہ تم کبھی وقت پر نہیں آتے" میں نے اپنی ہنسی روکنے اور بات ٹالنے کے لئے کہا۔

"تو پھر خود ہی موڑ چلاؤ کچھ لگے؟" میں آتی ہے یوں "اس نے جنگی جا کر کہا۔

"نیکوں ہی کی" میں نے تو بھی سے فیصلہ کیا۔

تو پھر لیجئے۔۔۔ کج ہی سے شروع کیجئے جاو جیلی پارک۔ اس نے سوز سوز کر کہا۔

جیسا واقعی وہ روز میں نکلا وہ؟ میں نے اشتیاق سے پوچھا۔
 ہمارا کیا۔ دیر ہی کی گئی ہے۔ تمہاری تو دلی۔۔۔ کو شک۔۔۔ پہلے میر
 پھر مصلیٰ۔ اس نے ہونٹ بھیج کر سر ہلاتے ہوئے کہا۔
 ”مصلیٰ دھنلی کا بھول ہے۔۔۔ عیسیٰ نکلتا۔“

”غیب! یعنی دلو تو پھر نکلتا بھی بھول ہے۔ ایسا سوا ہے۔ ایسی ملت کی
 سوز کسی اور سے لیجئے۔ اس نے اکڑ کر کہا۔“

”ایسا اب اترا تو نہیں روٹا ہے کہہ دوں گی۔ وہ ہوتے تھیں گے کہ بار
 ہی کہ گے۔“ میں نے دھمکی دی۔

”ایسا یہ ہے تو پھر یہ ہی سہی جانیے کر دیجئے۔ سو دھمکاتے۔ نہیں
 نکلتا۔“

”تو اترا اکڑا تو نہیں ہے ایسا چل چل جائے گی مصلیٰ نکلتا تو؟“ میں نے وہیل
 پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”تو پھر۔۔۔ خیر۔۔۔ سچے تو۔۔۔ زرا وعدہ دیکھ دیا ہے۔“ اس نے بے
 اعتباری سے کہا۔

”یہ تیرے لیے میرا اعتبار نہیں۔“

”اور یہ نہیں پھر۔“

”تو دیکھ کہ تم کھو گے۔“ میں نے بات ٹالنے کے لئے وہیل پکڑ کر کہا۔

”سیدھی طرف۔“

”ارے رے رے۔“ میرے منہ سے نکلا اور سوز میں ہل مار کے مجھے سے
 ٹکراتے ٹکراتے گئی۔

سیدھی سڑک پر جا رہی ہیں اور سوز نے کی بھیجی جلدی ہے۔ اس نے مذاق
 اڑایا۔

”ایسا لیجئے جہانے۔“ اس نے فلک ہو کر کہا۔ میرے ہاتھ کاٹنے لگے۔ سوز
 کی چیخ بڑھی اور ہوا سا نہیں سانس نہیں کر کے میرے دل میں اترنے لگی۔

”ہمارا۔ ارے۔“ میں نے تلفف سے کہا۔ ”ارے پکڑو۔“
 ”آپ ہی پکڑیے۔۔۔ ہاں دور سے۔۔۔ ارے پکڑی۔“ اور وہ دور سے

بھاگا۔

سوز کی چیخ بڑھی اور میں گھبراہٹ میں چلانے پر مجبور ہوئی اور ایک دور کا
 بھونکا گا۔ سوز اٹھ اٹھنے لگی۔ ہمارا نے ایک دم بریک دیا دوا تھا میں نے ہاتھ جتا
 لے اور واقعی صدمہ ہو کر پڑ گئی۔ مجھے ہینٹ آ گیا تھا۔

”ایسا لیجئے۔۔۔ لیجئے اب کے نہیں۔“ اس نے خوشامد سے کہا

”پکڑ کر سیدھے۔“ میں نے صدمہ سے سمجھ دیا۔

”آپ چلائیے۔“ اس میں ڈرنے کی کیا بات تھی۔ ہونٹ۔۔۔ اسی برتنے
 پر سوز چلائی کی۔“ اس نے سوز گھڑی طرف مڑ کر کہا۔

”اور چلائیں کیسے؟ جیسے لوٹ ہی تو گئی نا؟ بہت چلی آپ سے سوز۔“

ہمارا ہنستا دوا اور میں اڑ کر کھسپائی اندر چلی گئی۔

”ارے ہندو۔“ ہمارا نے ہل کو پکڑ کر کہا۔ ”سیدی کو سوز چلائی ناگنی۔“ اور وہ
 طویل قند لگا کر سوز گھڑی میں لے گیا۔

درا سوچنے ایک ذہن لو کر تو بھولی عمر سے تارے ہل رہا۔ دن بھر ہنستا ہر تن
 ہانچتا ہوتے صاف کر آ۔ درا بڑے ہو کر پھوٹے مولے کاموں کے لئے ذرا نیور کی

خدمت انجام دے گا۔ اور یہ دماغ آج یہ ہے کہ نگھے اور دھما کو سوائے ہمارے کبھی
 کوئی دوست نصیب نہ ہوا چنانچہ ہم نے بیٹھ اس کے لاڈ برداشت کئے۔ بھیا تو جلد

ہی سکول میں پورے ہو گئے اور ہمارا نے گھر پر رعب بھلا شروع کیا۔ حیرت میں اس
 ہی کی ور دھتی۔ روز بھر جانا تو ایک بات کرنے والا ہی ہاتھ سے جابک لہا دوسرے

ایمان کی طرح ہم سے بھی لاچار نہ کرتے تھے۔ ویسے ہمارا کو خود انہوں نے سر
 پر صدمہ رکھا تھا۔ کبھی میں نے اگر شکایت بھی کی تو ڈنس کر قال دیا۔ مہینوں میں تو اگر

”اس میں میرا کیا قصور! مجھے تو فرصت ہی نہیں ملتی جو ان ”سنا“ صاحب کے پاس جاؤں۔ چار ماہ تک تو جانے کی سلت نہیں ملتی۔“

”تم جیسے اس کے پاس جا بھی سکتے ہو۔“ میں نے ہنس کر کہا

”کیوں کیا وہ سلت انہوں میں رہتا ہے یا کیا؟“

”جی ہاں، تم جیسے ٹیٹا بوجھنے کے ضرور ملے گا۔“

”ہم ٹیٹا بوجھنا ہی ہے سے ہیں۔ سو دیکھئے۔“ ہمارے ذرا سیوے کھڑے ہو کر کہا۔

”دوست بڑا قوی ہے اور سے دیکھ لیتا ہی اسے قیمت ہے۔ تمہاری تو وہاں تک رسائی بھی نہ ہوگی۔“

”اچھے اس میں کون لٹو گئے ہیں، جو ہم کھا جائیں گے۔ دماغ کیوں دکھاتے ہیں کیا بہت روایت ہے۔ ہے؟“

”مست نو مرے انیس روپے کی پردا نہیں۔ گھدر پختہ ہیں۔“
 ”تو اس میں کیا ہوا۔ خواہدار بیٹھ سے کھادی پختہ ہے۔ مولا بھی ایک تہجد
 میں چھ مہینے گزار دیتا ہے۔ ہم بھی سرکار اور بھیہا کی اترن پختہ ہیں۔“
 ”تم نوا اور مولا تین گھدے ہو۔ یہ تو چاری قوم کی خدمت کرتے ہیں۔
 نوہو کا انیس بڑا روپے۔“

”اگر سے اور ہم کو ان خدمت نہیں کرتے صبح سے دو بجت جاتے ہیں تو شام کو کہیں دس بجے پہنچی جاتی ہے۔ مولانا کی کمرانی بھرتے بھرتے فیروز علی بدایونی۔ عمو کے ہاتھ پڑا پھیلنے پھیلنے گھٹا گئے۔ اب اور کوئی ہی خدمت یہ لیڈر کرتے ہیں؟“

”ہی تو بے باب کا کیا خیال ہے کہ عمو! مولانا آپ تینوں لیڈر ہیں۔ ضرور!“

میں نے اس کردار پر اڑایا۔ تم لوگ گائے تل کی طرح کام کرتے ہو۔ گدی سے تو کچھ خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اب تو قوم کی خاطر قہر میں جالتے ہیں۔ لوگوں کو سیدھا راستہ دکھاتے ہیں ان کی بھلائی کے لئے کوئی اگر جاننا مانگے تو جاننا تک دے دیں۔“

”تو کوئی مولوی ہیں، رشتی ہیں کیا ہیں؟“
 ”ہم رشتی اور مولوی سب دھوکہ کھاتے ہیں۔ یہ تو رہنما ہیں۔“
 ”ارے کچھ بتائیے تو یہ کون جوتے ہیں۔ کیسے؟“
 ”کیسے وہ جو۔۔۔ تجھے یاد ہے؟ گھنٹوں میں جلوس نکلتا تھا۔“
 ”وہ کون سا طبقہ؟“

”اگرے ہٹ۔ وہ نوا میں آئی۔“
 ”وہ جو پچھلا شادی نے چھوڑ چھوڑا تھا وہ گھر؟“
 ”جیسے پچھلا رہا وہوں کی جو نہیں نہیں کرے جائے گا۔ جا نہیں جاتے۔“
 ”تو پھر تائی نہیں ہیں اسنے جانی ہیں۔“
 ”اگرے ہٹ وہ قریبی بہنیں ہیں۔“

”جی تو اٹ صاحب والا تھا۔ سارے میں روشنی ہی روشنی تھی۔ انکی روشنی جی جی کو کیا کہتا۔ منوں پھول لوگوں نے ڈالے تھے۔“

”نہیں ان کہتے انگریزوں نے تو ہمارے ملک کو لوٹ کر اس کر دیا۔“

فریوں کا چہرہ کٹ کر اشتعال کیلئے روئے جمع ہوتا ہے اور وہ چار عہد عہد سزگیاں صاف کر کے نور سجائے ان میں سے انہیں گزرا دیا جاتا ہے۔ بڑے ہمارے ملک پر حکومت کرتے ہیں۔ کم بخت کہیں کے“ میں نے جوش سے کہا۔

”اور یہ کیڑا کیا کرتے ہیں۔ یہ بھی تو بھنڈیاں لگا کر سڑکیں بھنڈا کر اور پار پھول پھینک کر اگلوں سے نکال دیتے ہیں بہت ہوا تو کچھ بول دیتے۔ دسے تالیاں پڑی چٹ رہی ہیں کچھ میں خاک نہیں آتا کیا کچھ رہے ہیں۔“

”تو میری ہی ہے۔۔۔۔۔“ وہ بنا۔ ”تو میری“ ہے وقف لوگوں کے لیے
”میں“

”نہیں اور نہ بد تہذیب لوگوں کے“ میں نے جمل کر کہا
”تو پھر ہمیں کیا ضرورت جو ہم انہیں کوڑی بھر بھی دھاریں، جتنی امداد بھی

کوئی لیزر ہوتا۔

"تم تو سمجھتی ہی نہیں"

"آج بھر سمجھائیے؟" اس نے عاجز ہو کر کہا

"یہ لیزر فریبوں کے بعد ہوتا ہے۔ تمہارے چپا شاد اور دھاری شاد تو ٹھیک ہیں۔ لوٹ لوٹ کر اپنا گھر بھر رہے ہیں اور یہ تو فریبوں کی مدد کی کو خشک کرتے ہیں۔ ان کے حقوق دلاتے ہیں"

چپا شاد کے یہاں بھی تو آئے دن لنگر بٹاتا ہے "ہمارے ریل چوٹی کی۔

گو بیٹ بھرے کیوں پہنچ جاتے ہیں۔ آپ میں نہ پہنچ جاتوں" آپ نہ پہلی جائیں "ہمارا پولا

"تم سمجھتی ہی نہیں سمجھتے" میں نے عاجز ہو کر کہا

"مور ہو کتنا ہوں سمجھائیے تو سنی ہی نہیں"

"کیا سمجھوں؟" کوڑھ مٹھوا بھی یہ ہمارے حقوق دلا رہے ہیں۔ ہمیں مور لٹنٹ کی تو کڑیاں دلائی گئے۔ ہمارے لئے تھیں مردہ کرائی گئے" میں نے سمجھا ہی دیا۔

"سمجھیں کسی؟" ریل کی؟ "کدہ؟" زانی پولا

"مور نہ! کھلی۔" بھی مٹ۔ میں تجھے نہیں سمجھا سکتی۔ ارے بھی سمجھیں۔

لورہ کیسے تھاکاں۔ "اسکلی میں سمجھیں۔"

"اچھا۔ آپ میں سمجھا۔ ہمارے سمجھنے کی کو خشک بھر دتے ہوئے کہا

"اچھا تو سب کو ذہنی فلکیاں لا کر میں گی"

"مور کیا"

"جب تو سو ہے۔ میں بھی ذہنی فلکی میں ہم ڈواؤں کا"

"موتے گئیں گے" میں نے ہنس کر کہا

"ہی۔ ائی۔ بہت ہوتے گئے اور ہاں عوا کا لاکا نوں روہے میں چھتا ہے وہ

تو ضرور ہی اپنی بن جائے گا"

"تم" تمہارے عوا اور مولائی تو اپنی بننے کے لائق ہیں۔ ذرا سی گرام میں بھی رکھتے ہو۔ ذہنی ہو گئے۔"

"کیوں اس میں کیا ہے۔ تھانہ داری تو میں ایسی کروں کہ کہا جاتا ہے"

"جھلا تم" پھر نہ جانے دیتے ہو کر جلا ہے اور عوا ہمارے جھلپت نہیں کے"

"اچھا تو پھر ہم لوگوں کا ذکر نہیں اور یہ گاندھی جی ہو ہمارے ہیں وہ؟"

"وہ کیا کر سکتے ہیں مجبور ہیں۔ سمجھا کیسے ایک دراصل کوئی کو اونچے صوبے دے دیتے جائیں۔ تم ہی سوچو ہمارا!

"آج پھر کیا؟" پھر تو کڑیاں بھی صرف بڑے لوگوں کے لئے ہی لے رہے ہیں۔ تو بھی ابھی روٹی کپڑے کا لٹکانہ بھی نہیں ہوا اور تو کڑیاں بھی نہ ملیں تو یہ

کیسے لیزر۔ ان سے اٹھنے دھاری شاد ہیں ہو کھانا کپڑا دیں اور پھر ان کا کتنا کرلو تو جنت میں الگ جاتوں" ہمارے بھلے ہوئی توازیں میں کہا۔

"میں کھانا کپڑا ہی تو ضروریات نہیں۔ ان ڈیکل خواہشات سے بلند و اعلیٰ اور بھی تو خواہشیں ہیں۔ یہ ضرور میں تو صرف نیوایت کو ہیں کہ جنت بھر لیا اور پھٹے میں سو گئے۔"

"واہ آپ بھی کیا کہہ رہی ہیں۔ اسے سب جنت بھر کے کھانا نہ ملے گا تو کوئی

چنے گا کیے گر۔ جانوروں کے چنے کے لئے گھاس تو ہے اور سونے کو بچنے تو ہیں۔

بست سے فریبوں کو تو یہ بھی سمجھ نہیں۔ جانوروں کو ایک ایک کے در پر ہیں۔ تو لٹکانہ نہیں چلی۔"

میں کھینچی ہوئی چادری تھی۔ یہ ہمارا بڑا جتنی ہے ایک بات کے پیچھے چڑھتا

ہے۔

"فریبوں کی زندگی بہت اچھی ہوتی ہے" میں نے غلطی چھائی۔ نہ کسی

بات کا نام نہ کر۔ حڑے سے کھلی ہوا میں بھونپڑوں میں رہتے ہیں دو کھی سو کھی مٹی

ہے۔ مگر کھین سے۔ کپڑے کی گر بھی نہیں سجاتی"

"بڑی اچھی ہے فریبوں کی زندگی۔ آپ کو کیا معلوم۔ ان کو یہ دو کھی سو کھی

بھی کی مصیبتوں اور طوفانوں کے بعد ملتی ہے۔ زمیندار کا جو سامرہ دیتا ہے۔ کسی باغی کھیتی ہیں۔ بھی خوب کھلی ہو ایش حڑے سے رہے۔ ذرا آپ تو دو روز حڑے اٹھا کر دیکھیں آنکھیں کھل جائیں۔ تب سمجھیں ہوں گی بھوپڑی بھی کوئی سرکار کا دور سے دلا ڈیرہ ہے کہ اندر حڑے سے میز کری علی ہوئی ہے اور نوکر لگے ہوئے ہیں۔ بھوپڑی میں بھلا بھل تو پائی بھرا ہے اور دنیا بھر کے کپڑے کھڑے کاڈر۔ اس پر نہ ہنسن گئے۔ ٹوب۔ بھادری آنکھیں پلکنے لگیں۔

بھری عادت ہے کہ بھادری کی دلیوں سے خواہ کتنی ہی قان ہو چاہوں۔ مگر کتنی اپنی ہی رشتی ہوں۔ میں نے ہات ڈالنے کے لئے کہا "تم تو ہو جانی لہ تم سے کون خطرہ ہے۔ چارم کھم تو دنیا میں قدر ہے۔"

"تو بھر آپ چھاتی کیوں نہیں" اس نے ضد کی "دیکھئے بھر بھری بھی قدر ہو جانے کی۔"

اس دن کی بھٹ اس بات پر ختم ہوئی کہ اگر بھادری ایمانہ دی سے مجھے موڑ چاہتا کھانے کا تو میں اس کو چاھوں گی۔

ابھی چند روز ہی چلتے شروع ہوئے تھے کہ بھادری کو اپنی قدر چھ جانے کا گمان پڑا ہو گیا۔ بجائے بچے بچنے کے کھانے کے کمرے سے کمری ڈاکر چننے کے اور کتاب کے دینی ضایت انہماک سے لگنے لگے۔

"انھو میں سے میں نے اس کا کان پکڑ کر کیا۔"

"کیوں؟ کیا کری پر رضتا رہا ہے؟" اس نے آنکھیں چھا کر کان پھڑپھڑاتے ہوئے کہا۔

"ہاں" اور میں کری پر دراز ہو گئی۔

"انھو میں سے" بھادری نے آہستہ سے میرے کان پھم کر کہا۔

میں نے اس کے ایک تھیلہ لکھا "پہ تیز"

"آپ ہی نے تو کہا تھا کہ کری پر رضتا بڑی بات ہے۔ لے کے ایسے دور سے میرے کان موداؤ۔"

"تم تو کہو اور بھر کری پر چھ کر چلتے ہو۔"

"آپ کیوں کیا تو کر دیں کے کان پھڑپھڑے کے ہوتے ہیں۔ بڑی آپ تو کلام می کی کی نہیں جانتی ہیں۔" اندھم آپ تک کان درد ہو رہا ہے۔

"آپ کیوں کہ حجاب کرتے ہو تم"

"کیا کیا میں نے؟"

"تم بھراستے گندے کیوں رہتے ہو۔ ذرا اپنے ہاتھ تو دیکھو جیسے تل کے کمر" میں نے بات چلی۔

"کیا کروں۔ ساری عمر رتن چلیختے۔ جو توں پر ہاتھ کرتے گزری۔ یہ دیکھئے کیسے گئے ہنگے ہیں۔ اب سوز کا کام بکھ تم گندہ ہے؟"

"سہاری روح ہی گندی ہے۔" میں نے فیصلہ کیا پھڑپھڑے دیکھو جیسے صافی۔"

"اچھے سے رو پے۔ لہاں" میں اور اس کے پاؤں چپکے۔ اچھے پھڑپھڑے کہاں سے چلاں۔"

"اور یہ ہو بل مجھے کتنی کی طرح آنکھوں پر پڑے ہیں یہ!" میں نے اس کے سر کے ماسی خمری ہاتھوں کو پکڑ کر ہڈا۔

موجود ہو مانگ پنی کر دیں تو سرکار جو تے مار کر نکال دیں۔ جو سرخوؤں تو بھادری بچھیں لگا لگیں کہ بھلا بھلا چلے۔ وہ سرائیکی گھر میں لگی رشتی ہیں کہ کتنی نہیں چاہتا "اس نے بڑی سلیبی سے کہا۔

"تم چارم کے بھی یا بھرا سری کھانے ہاڈ کے؟" وہ خاموشی سے پڑھتے چنڈ کیا۔

دشیدہ لہا کے بے تکلف ہم مرد و ستوں میں سے تھے۔ مجھ سے انہیں بچوں سے بچہ نہ لگا تھا۔ میں انہیں دشیدہ چکا کہا کرتی تھی۔ وہ مجھے بہت بھڑا کرتے تھے۔ وہ بڑے ذہن والے اور طوفانی طبیعت انسان تھے۔ مجھے دتی بھی کرتے تھے۔ لیکن بھری ذرا سی بات بھی وہ بڑی سرت اور غور سے مانتے تھے ان کی زندگی بڑی ایک

بھڑی جیسی گزری۔ دھڑپ نے بچپن میں زبردستی شادی کر دی وہ تین بچے ہوئے اور پھر وہ جی سے چھٹی ہوئی تو آپ ناگن ہو گیا۔ رشتہ داروں سے دور ہم لوگوں کے سامنے کوئی درد فریب کا نہ تھا بھیا کو اور مجھے بہت ہی چاہتے تھے۔ مجھے بھی وہ بہت ہی اچھے لگتے تھے۔ اب تو کبھی لڑا پیار کرتے نہیں تھے۔ رشید کی بہت ایک فحش عظیم ہوتی تھی۔ وہ چند روز کے لئے آیا جابا کرتے تھے تو ان کے آنسو اُپھار کرتے تھے۔ انہیں آنسو ہونے کی روز ہو گئے تھے۔ انہیں مجھ سے بہت سی باتیں کرنا تھیں اور مجھ سے گھر میں بیٹھے کے کہیں باہر کار میں جائیں۔ مجای مجای کر بلور میرے کمرے میں آیا تو میں نے کہا "رشید کہاں ہیں؟"

بلوار نے خیرات سے اپنی جیب میں بھانکنا۔ بارہ سہی میں ہاتھ ڈالا۔ بار
صبر سے منہ کا کھاتہ کھود سر ہلایا۔ گویا کہتا ہے "تمہیں ملے کھو گئے"
"تو کبھی گئے ہیں؟" میں نے انہی کو روکنے کے لئے کہا۔

”پہلے تو یہ جانے کہ آپ ہمیں آج کل پرچائی کیوں نہیں ہیں؟“ بلال نے
 کہیں ہاتھ دکھا کر پوچھا۔

”نہیں بھائی۔ بچے گا“

”میں نے اپنے دوستوں کو اس نے فوراً کہا۔

اس کی کہنی عادت سے واقف ہوں اس لئے ٹوٹی ہے۔ کما "چھڑاؤں گی۔"

بھئی آئے میرا دل نہیں پہچانتا

آج میں تاروں کا۔ آج میرا دل نہیں چاہتا۔ اس نے "میرا" پر زور دیتے ہوئے کہا اور جانے لگا۔

— *U. S. Fish and Wildlife Service*

”ہاں یہ ہے۔۔۔۔۔ اچلی ٹھہے۔۔۔۔۔ میرے سر میں درد ہے۔ اس لئے آج تو نہیں میں کل چلاؤں گی۔“

"ہاں یہ ہے۔۔۔۔۔ مجھے بھی۔۔۔۔۔ میرے سر میں درد ہے اس لئے کب تو نہیں ہل کر جاؤں گی؟" وہ نقل انکار کر رہی۔

یہ باتیں جاننے والی تھیں۔

”اچھا بیٹھو“ میں نے کہا اور وہ میرے سامنے پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

مجلس شورای اسلامی

”اور یہ آپ کے دشمن چچا“ اس نے اٹھ بچا کو بن کر باز کر باہل ہے تجھے
 کہیں سے کہا۔ ”گزارا ہوا فیروز کو بس کھلی بندھ جاتی ہے۔ اورے دے دے اتنی چیز
 کہیں ہاتھ آئے۔“ مبار نے سہمی صورت پر دشمن کی نقل کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں دھناتو لکھ میرے کمرے سے باہر میں نہیں دھاتی۔“

”ایلو بکڑ تھیں۔ بکڑ نہیں ہیں تھمارے رشید چچا“ اس نے ہر لفظ چچا کو واضح طور پر کہا۔

— 19 —

”میرا ہمارا یہاں سے میرا جانا۔ چلو“ میں نے ہاتھ اٹھ کر کہا۔

”آجیو۔۔۔۔۔“ اس نے بولنے کرتے ہوئے کہ محراب پر گام

1997, 1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 26

”کیونکہ میں نے آپ کے لیے سرخ روئے“ وہ جانے کے لیے اٹھا۔

”تم رشید کے لئے کیا کر رہے تھے؟“ میں نے اپنے شوق کو چھپاتے ہوئے کہا۔ ”ہاں اب ان کا“ جو ذکر ہے تو جلدی جلدی پوچھ رہی ہیں، نہیں جانتے۔“ وہ دروازے کی طرف چلا۔ پھر وہ۔ ”آج صبح وہ برآمدے میں کھڑے تھے تو میں نے ایسی غور سے دیکھا۔ کیسے بے ہنگم لگ رہے تھے۔ ہڈھے ہو گئے۔ مگر سارے شادی کے دنے شوقین ہیں۔“

میں کھیلانی ہو گئی۔ رشید چھ سال سے مجھ سے شادی کرنے کے لئے کوشش کرتے۔ "میں نے سوچا" وہ دو بار اے کے پاس جا کر بولا "میں نے سوچا"۔ یہی کہی قسمت وہ فری ہو گئی۔۔۔ جس سے ان کی شادی ہو گئی۔

چنانہ ہلک گیا۔ میں نے میز پر سے روکر اٹھ کر کھم دیا۔ "اٹھو ہمارے کمرے سے۔"

وہ چلا گیا۔ لیکن فوراً "بھرا کر کھا" اور ہل دو چالک کے پاس کھڑے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے آپ کو بلانے کے لئے بھیجا تھا۔ چلتی ہیں آپ یا جا کے کہ وہ نہیں آئیں سر میں درد ہے۔ بھر وہ چلا۔ کیا تاؤں بھرا کس قدر جی چلا۔ رشید نے مجھے بلانے کو بھیجا اور یہاں باقی بٹانے لگا۔

"میں آ رہی ہوں" میں نے کوٹ پہنچنے ہوئے کہا۔
"میں تو کے دیتا ہوں مجھ پر ٹھیک نہیں مگر اترتا ہے" وہ مسکراتا ہوا تیزی سے چلا۔

"نہیں" میں نے ڈانٹا اور جلدی سے سطر لٹختی ہوئی اس کے پیچھے چلی۔
"تیرا آپس۔" وہ نہ بھر نہیں لے جائیں گے" اس نے میری جلدی دیکھ کر فحش دیا۔ رشید جلدی سے ٹوٹی گھماتے آگے چلے۔

مجھے سرکار آگئیں" اس نے رخ مندانہ بندہ آواز سے کہا۔ کتنی حق نہیں جاتوں گی۔ سر میں درد ہے۔ میں نے کہا "چلے جی میر کو پہلنے تو سب سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے منگاری کا دار کر کے کہا۔

رشید کا چہرہ جھک اٹھا اور وہ سب حالت میری بعض ٹوٹے لگا۔
"خوش" میں نے ہل کر کہا اور کادو میں بیٹھ گئی۔ بہادر دار آتے ہو کر نہ لگا۔
انہی تیزی سے موز اسٹارٹ کی معلوم ہوا ابھی پہل آ گیا اور مجھے سے موز دارا

نیکی کر گئی۔
"ارے!" رشید نے آنکھیں پھاڑ کر کہا "ٹھیک سے نہیں ہاتھ"۔

ساتھ لگے ہوئے پیٹھ میں میں نے بہادر کی ہنسی روکنے کی جاکم کو خوش کا مطالعہ کیا اور میں چل گئی۔ رشید سے کتنی مروت کہا کہ "بھئی یہ" "اٹکنا" کہیں کا تھا ہے کوئی موز نہ ہوئی تاکہ ڈاچھڑا ہو جی جو ہانگی جائے۔ وہ فوراً "خوش مزلی سے کہنے کہ "میرا مطلب چلانے سے ہے" مجھے تو کی بعض باتوں سے نفرت ہے۔

باتوں میں خیال بھی نہ رہا اور بہادر نے موز کھڑوں اور ہڈیوں والی سڑک پر

ڈال دی۔ ایسے کہ ہات کرنا دشوار ہو گیا۔ ہوا ہو ڈال گیا۔

"اے ادم کہیں لے آیا" رشید فرمائے۔

"ارے تو آپ نے روکا بھی نہیں" اس نے اٹھا اٹھام دیا خیر! آگے سیدھی سڑک ہے۔

موز پھر لٹکتے گئی۔ چار میل گئے۔ مگر سیدھی سڑک کا خاک پتہ نہیں۔
رشید کے حہ سے ہات نہ لگ رہی تھی۔ مجھے بھی صرف ہنسی آ رہی تھی۔
"کو۔ بھئی وہ تیری سیدھی سڑک کو مر ہے" رشید نے پوچھا۔

"ہوں۔۔۔۔۔ بھول گیا۔ یہ سڑک تو اٹھارہ میل تک کھڑکھڑاتی چلی گئی ہے
کیا موزوں"

"اور نہیں تو کیا مارا لے گا" رشید بھانستے۔ "دار تم تو میں دی ہوئے کے ہوا ہو ڈالا ڈالا ہوا" رشید نے اپنا سر میرے سر سے گرانے سے بچا کر کہا۔

میر گیا خاک ہوئی۔ سارے راستے خطوں کی طرح لگے، بچے بٹانے مجھے رہے۔ سر پھٹ جانے کا انگ ڈر۔ گوہوں پر پچھتے اچھتے تھک گئے معلوم ہوا سیر نہیں کھ سکتی تو کر آ رہے ہیں۔ بہادر نے رخ مندانہ شکرانہ سے مجھے دیکھا گویا کہتا ہے کہ "تو کبھی نہیں سیر کرانی؟"

"میںم کو کہاں بٹانے گا۔ پانچ بجے موز نکال لوں"۔ اس نے مذاق سے کھڑکی بند کرتے ہوئے کہا۔

"اے بھٹ۔ ہم کیا مرنے کے لئے تیری موز میں ہانگیں گے" رشید نے ڈانٹا۔

رشید بیٹھ بہادر سے بد تمیزی سے بولتے ہیں انہیں جانی فحاشیت ہے کہ یہ نوکر ہو کر ذرا بھی منڈب نہیں۔ اہا نے سرچہ حال کیا ہے۔ بیوہ ہے۔ کسی دن ٹھیک کر دیا جائے گا۔ مگر بہادر خاک نہ سٹا بلکہ صرف شرارت سے مسکرا کر اور بھی

مذاق ادا کرنے پر قی جان۔

تم اتر کر باہر ہی بیٹھ گئے۔ رشید کو میرا اتنا خیال رہتا تھا کہ اگر ذرا سی چیز خریدے تو سو مرتبہ میری دانے لیتے۔ ان کی کوٹھی اور فرنگیہ میری خاص پسند کا تھا۔ موٹر ہم نے خود چاکر دہلی سے خریدی۔ جس پر خوبصورت پتے میں موٹر گرام ہوا تھا۔ ہریچ پر میرا موٹر گرام تھا۔ سارے نوکر میری پسند سے دیکھ جاتے اور نکالے جاتے تھے۔ رشید کے کپڑے اور مختلف چیزیں عموماً میرے پسندیدہ رنگ کے ہوتے انہوں نے کبھی میری مخالفت نہ کی۔ دب میں پھونسی سی تھی۔ دب ہی سے وہ مجھ سے اترتے تھے۔ مجھے بھیڑتے اور دب میں خفا ہو جاتی تو بے چین ہو جاتے انہیں اس میں ہی مزہ آتا تھا۔ مجھے اب تک ان سے دو ٹوہ جانے کی عادت ہے ایک دفعہ انہوں نے مذاق ہی مذاق میں ذری چاندی کی چوڑی پہنیں والے عوض میں ایک ایک دی تو میں دس پارہ کی دھمک دی میں گئی۔ چارے فوراً۔ کوٹ اُتار کر پانی میں اتر گئے مجھے اب تک یاد ہے وہ کتنے اچھے معلوم ہو رہے تھے۔ سبز کافی ان کی چلی جاواں میں بے طرح الجھ گئی تھی اور سارے جسم پر سڑی گئی چپڑیں چٹکی ہوئی تھیں انہیں تکلیف پہنچا کر میرے دل میں گدگد سی ہوتی تھی مجھے پتا تھا کہ ایسا بارف اور طاقتور انسان میرے سامنے کبھی بی بی نہ جاتا تھا۔ ہمیشہ کا دم لگتا تھا۔ ٹکڑ میں بہت دیر تھی ذرا سی بات پر انہیں ہانسی بنا کر رکھ دیتی وہ اٹنے خوش ہوتے۔ مجھے تاہم پتا نہ ہوا تھا۔ رشید نے اپنے پٹے کی ساری ترکیبیں مجھے سنا کر کرنے کیلئے صرف کہیں۔ اتنے ٹانگ پائے کہ میں پھل کر کہا ہو گی اور ہمارا اوسبیا مجھے چڑا چڑا کر کھائے۔ اکثر ہمیشہ کو بہت چاہتے تھے۔ ٹکڑ ہمیشہ وقفہ ان سے سمجھتے سمجھتے رہتے تھے۔ رشید اور رشید کی ساری چیزیں میرے آنے کی بھڑک جیسے کھنڈے ہی سے بہت خریدے سمجھتی سی موٹر میرے موٹر گرام سے جھانکے۔ مگر وہ مجھے کبھی وہاں پہنچا نہیں نہ ہوا۔ ابا سے دب رشتے کھٹکا کرتے وہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیتے۔ رشید مجھے ایک نئے آفتل دامن کا نقشہ زمین پر کھینچ کر بتاتے کہ سامنے ہے ایک مرکب سی گائے دم اٹھائے وہ زنی ہوئی سیدھی ہماری طرف لگی۔ بندہ پیچھے اٹھالے کر

وہ داخل میں کر ہمارے بھی اپنی کوٹھی میں سے جھانک نہ جانتے کیا سوچ کر ایک پھونسی سی ٹکڑی لے کر ایسے گائے کو ہماری طرف ہٹا کر لایا کہ وہ چانک پھوڑنے کے ہماری طرف آئی۔

گائے تل اور پھونسی چیزوں سے میرا دم لگتا ہے۔

”ارے اوجھرتا ہانک ہمارے رشید دار کر دانتے گئے۔

لفظ ”ہانک“ پر ہمارے ہنس سے لوٹ گیا۔ اگر ہم منہ مڑیں ہر نہ چنہ جانتے تو چیلے۔ گائے ہمارا آٹا کھاتی۔ ہمارے مجھے غلط انداز سے بھیڑنا ہوا گائے کے پیچھے بھاگا چلا گیا۔ اگر رشید کو ہمارے کی ٹکڑوں کا ذرا بھی پتا چل جاتا تو وہ حذر چھا دیتے وہ اسے صرف ایک بے وقوف کو حاکم سمجھتے تھے۔

اس دفعہ رشید مجھ پر ایسے پیچھے ہڑے کے ابا شادی پر راضی ہو گئے ہیں اور رشید دن بھر سلاخ خریدتے بھرتے۔ حالہ چاہی بھی انتظام میں مدد دیتے آتے تھے۔ ابا کے بعد وہی تھیں ہم ہماری قریبی رشتہ دار تھیں۔

ہمارے خاصوش ہمیں دن بھر موٹر میں لادے بھرتا تھا۔ رشید پھونسی لے کر آ گئے تھے۔ اور مجھے بہتوں ہمارے سے بات کرنے کا بھی وقت نہ ملتا تھا۔ ہمارے کی بد مزاجی بد سمجھی جاتی تھی۔ وہ مجھ سے ہانک بات نہ کرتا اور اگر کرتا تو تڑپی سے۔ بات بات پر ہر ایک سے الجھ جاتا۔ یہاں تک کہ ابا نے ہو کر کہا تو غرا کر انہیں ٹھکرانے لگا۔ آبا میں غضب کا قہقہہ سے وہ سب سے اسے چاہتے بھی بہت ہیں۔ ہانک چپ رہ گئے مجھے ہمارے کو دیکھ کر دینا دینا ہو تا ہمایا کے پلے جانے کے بعد کبھی ”کو“ بھولی ”کو“ یا تو کر سب بکھ پر ہمارے رشید بے شک میرا لاد کر لے گئے۔ ہمارے اور ہی تھا میرا بچپن کا ساتھی اور اب وہ مجھ سے بات نہ کرنا تھا وہ پہلے سے لڑاؤ لڑاؤ دینا ہو گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ہمارے بچے سے تھا ہے۔ یہ رشید تو نہ تھے کہ اگر کبھی خفا ہو بھی جائیں تو ان کا بہتری علاج یہ ہے کہ خود خفا ہو جائیں پس وہ فوراً اپنی خوشنود شروع کر دیتے تھے یہاں ہمارے کا سوال تھا وہ صرف

خوشامد کرانے کا ہادی تھا۔

رشید ایک دکان پر سوٹ کا آمبار دینے اترے۔ میں نے ہمارے پچھا "یہ قسمدار تو کتنی کیوں سوئی ہوئی ہے۔"

کوئی اور وقت ہو تا تو ہمارے ایسا نہ تو جواب دیتا کہ میں اپنا سامان لے کر رہ جاتی۔ لیکن وہ صرف کھسائی انہی زبردستی بیٹھنے لگا۔

"کیسی داغ دوست ہی نہیں ہوتا جب دیکھو جب منہ ڈالی ہو رہا ہے آخر کوئی وجہ بھی ہو" میں نے فزی سے طاقت کی۔

"میں کس پر خسر کہوں گا بھلا۔ میں ایک پٹا ہوا نوکر اور کسی سے خسر ہو جاؤں تو پھر روٹی کہاں لے گی؟" وہ افسردہ ہو کر مجھ سے دور دیکھنے لگا۔

"میں تم کچھ بدل ہی گئے ہو۔" رشید آگے اور ہم واپس چلے آئے۔ میرا دل ہمارے کھل کر بائیں کرنے کو چاہتا تھا۔ لہذا میں نے اسے بایا۔

"ہمارا دارا میری سازشیں پر استری گود۔" لکھنے! یہ کوئی میرا کام ہے۔ تھا کہ جیسے دیتا ہوں "وہ حزا۔"

"میں وہ عجیب نہیں کرتا۔" وہ سرے وہ میری استری ڈاؤنے کا۔

"پچھلا اپنے گھرے سازشیں اور استری دے دیتے ہیں کہ وہاں کا۔"

"میرے کرنے ہی میں بدی میر پر کر لو۔ میں تمہیں اپنی بھلی کی استری ڈاؤنے کے لئے نہ دوں گی۔"

"تو پھر کدال کچھ کسی کور سے" اس نے سہکامت بنا کر کہا۔

اور آ "میں نے ڈانٹ کر کہا۔

وہ قریب آیا۔

"پہلو۔" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے کی طرف لے جا کر کہا۔

"سازشیں نکالو اور سیدھی طرح استری کرو۔"

وہ مسکراتے لگا۔ اس کا چٹا سارو چہرہ خون کی گرمی ہے ہوا ہی ہو گیا اور آنکھیں بھیگ گئیں وہ خوش تھا۔ صندوق میں سے سازشیں نکال کر وہ استری

کرتے لگا۔ میں کوڑی کے قریب اسٹول پر بیٹھ گئی۔

اس کے کھودے بے بے بے پاؤں دار ہاتھ چمکتی ہوئی استری اور رنگ برنگی سازشیں میرے لئے ایک کھیل بن گئیں۔ بدی بدی سیاہ آنکھوں میں ایک نئی جان پیدا ہو گئی تھی۔ استری کے ساتھ ساتھ اس کی چمکیلی آنکھیں آگے پیچھے دوڑ رہی تھیں اس نے اپنے گداز پر ہر لب کو دانتوں سے چاٹ کر کھا تھا۔ جیسے کہ سخت مصروفیت اور کام کے وقت دھا پیتے ہیں۔ کف بے گتے ہیں سے اس کی استریشوں میں بھول رہے تھے۔ ابا کے چارے چنگے دامن کی فیض اور بھیا کے اسیلے دھالے پلوں میں وہ ایک جکا معلوم ہو رہا تھا۔

گرجاں کے قدام بنی ٹوٹ گئے تھے اور اس کا سپرد بہت سا کھلا ہوا تھا۔ جس پر پھیلوں کا جال بھڑکی نظر آتا تھا۔ اس کے بے روشی گئی ہل ہے تڑپت پتھوں کی صورت میں اس کی چمکندہ ٹھیکڑ اور آجین خوشنکی پر ٹھکرتے ہوئے تھے۔

میں اسے حواڑ غور سے دیکھ رہی تھی میرا دل دکھ گیا۔ تو بے دم زمانہ نے اسے ایک ذلیل و غار خدمت گار بنا دیا تھا۔ وہ نہ ذہانت اور چھٹندی کا بھر معلوم ہو رہا تھا۔ نہ جانے کتنے بار داغ صرف غیبت کے باتوں کھل کر خاک راہ سے بدترین جاتے ہیں۔ اگر اسے اعلیٰ تعلیم دی جاتی اور اس کے پاس دوسرے ہو تا تو وہ سختی شان دار استری بن جاتا۔ وہ ایک ذلیل نوکر تھا جس نے بچپن سے اپنی ہی جنس کی دل و جان سے خدمت کی تھی۔ لیکن پھر بھی کوئی بات تھی کہ وہ لڑکیاں استری معلوم ہوتی تھی۔ زندگی کے ہر معمول سے معمول اور بے بے سے بے کام میں وہ ایک کامل تعریف چھٹندی کا ثبوت دیتا تھا۔ میں اسے غیبت کے عالم میں تنگ رہی تھی اس نے کئی دفعہ اپنی ہوتی نظر میری طرف ڈالی اور مجھے اپنے طرف گھورتے دیکھ کر وہ بے اختیار ایک منظم مسکراہٹ میں ڈوب گیا۔

اس نے سیاہ باریک سازشیں چار چھیں کر کے میرے پیٹھوں اور استری سیاہ پادلوں میں بھلی کی طرح بھڑکی سے کونے لگی۔

ایک مہر تھا کہ جس نے مجھے بے خود کر دیا۔ کوئی غلط سی چیز میرے گھٹے میں بار بار اچھتی ہوئی اور آنکھیں دھندلی سی ہو گئیں۔ میں کھڑی ہو گئی۔ ہبلور کا ہاتھ رک گیا اور اس نے مجھے ایک لمحہ تک بے معنی نظروں سے دیکھا لیکن ٹپاٹیک جذبات کے جوش اور خیالات کی خاموش گھٹائیں اس کی آنکھوں میں چھا گئیں۔ میں آہستہ سے اس کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ وہ پریشان ہو گیا۔ چند کسی ناقابل بیان تکلیف سے تسکین اٹھا۔ اس کے ہونٹ ہلن کی زیادتی کی وجہ سے اٹکا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا پست چائیں کے اس کے ہاتھوں میں ایک لڑش حتیٰ جسے وہ جھینلا جھینلا کر چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم نہ تھو؟" میں نے اس کے اس کے استزی والے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ وہ مضبوطی سے استزی کو پکڑے رہا اور میرا ہاتھ اس کے ہاتھ کو جو کاپ رہا تھا۔ اس نے آہستہ سے اترتے اترتے میری طرف دیکھا اور اس مرتبہ ایسے کہ وہ ہمارے کسی سوال کی ضرورت نہ دی۔ میں نے استزی لے کر اس کے ہاتھ سے رکھ دی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے گریبان بند کرنے لگا۔ پریشانی کے علاوہ اور کچھ بھی چھپانے کی کوشش کر رہا تھا اس کی جھپکیں جو جھل ہو کر لڑ رہی تھیں اور اس کے ہونٹ ایک نیکی میں گل جانے کو چاہتے تھے۔

"میں نے یہاں نہیں؟" میں نے نرمی سے قریب ہو کر کہا۔

"نہیں۔۔۔ میں۔۔۔ کیا یوں؟" وہ اٹھتا چلائے لگا۔

"تم بڑبڑا نہیں رہتے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

وہ چپ رہا۔

"کیوں دلچسپ رہتے ہو؟" میں نے پھر کہا۔

"مجھے معلوم نہیں۔" اس نے پریشانی سے ہاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں نہیں معلوم! جھوٹے۔۔۔ میں نے لفظ بتا کر کہا۔

"آج اس نے سر ہار کر اپنے جھوٹ کا اور بھی پتہ ثابت دیا۔

میں دھمکے میں تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ تم مجھے اپنا دوست سمجھتے ہو" میں

نے سب کچھ کر کہا اور کڑی پریشانی۔

اس کی آنکھیں ہلکے ہلکے رہی تھیں کہ "ہو مست۔ تم خوب سمجھتی ہو۔" غمزدہ چپ تھا۔

وہ تھوڑی دیر کھڑا غیر مطمئن نظروں سے مجھے گھورتا رہا۔ اس نے چاہا کہ باہر چلا جائے۔ لیکن پھر ایک دم اس کا دھن اور ہنوں خود کر آیا۔ وہ تیزی سے میری طرف بھجنا۔ اور میرے اتنے قریب آکر رکا کہ میں سمجھی وہ ضرور میرے لڑے کر پڑے گا۔

آپ سمجھتی ہیں۔۔۔ آپ کھیل رہی ہیں، مجھ قریب سے۔۔۔ آپ کھیل رہی ہیں۔۔۔ آپ جانتی ہیں۔" اور وہ جھینلا کر اپنے ہونٹے چپانے لگا۔ آنسو بے اختیار بہاوت پر اٹکا ہو گئے۔

میں نے اس کی طرف ہاتھ اٹھایا۔ وہ خاموش میری طرف تھوڑی دیر تک دیکھتا رہا۔ خاموش انسانوں کی ختمیم جلدیں میرے سامنے کھل گئیں۔

"مہلدار!" میں نے کہا۔

اور وہ میرے قریب کر پڑا۔ اور اپنا سر میری گود میں رکھ دیا۔ بڑی دیر تک وہ گری بکھیاں لیتا رہا۔

"تمہیں دلچسپ دیکھ کر ہراساں دیکھتا ہے ہمارا" میں نے اس کے سر کو سہارا دے کر کہا۔

"تو نہ دیکھا کیجئے میری طرف" اس نے غور سے کہا۔

"نہ دیکھا کہوں تمہاری طرف" میں نے گویا خود سے کہا۔

"ہاں کیا فائدہ؟"

"کیا ہر کام انسان فائدے کے خیال ہی سے کرتا ہے؟"

"ہاں اور جو نہیں کرتا وہ دیکھتا ہے؟"

"کیا دیکھتے سمجھتے ہوئے ہیں؟"

"ہاں ایک بھوکے بچے کو مار کے لے۔" اس نے انگلیاں ہٹا کر کہا۔

”مور ہو جو کے نیچے نہ مت مار نہیں ہوتے انہیں کیا دیکھ نہیں ہو؟“
 ”کیا ان کو بھی دیکھ ہو؟“ ”وہ ایسے بھری توانا میں ہوا اور سیدھا ہو بیٹا۔“
 ”ہاں۔“

”کیا وہ بھی اپنی فنی ہوئی کو فخری۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے صاف
 تحریک کرے میں پھپ کر دودا کرتے ہیں“ اس کی آنکھیں پھپک رہی تھیں۔
 ”ہاں۔“

”اور کیا وہ بھی ان۔۔۔۔۔ وہ بھی ایک امیر اور طاقتور انسان کو کچھ کر
 وہ۔۔۔۔۔ کہ جب وہ۔۔۔۔۔ اس کو دیکھتے ہیں تو گھٹنوں جلا کرتے ہیں۔“ اس نے چہا
 چہا کر بے ترغبی سے کہا۔

”کون سے طاقتور امیر انسان کو؟“ رشید کو؟“ میں شرارت سے کہا۔

”ہاں“ اور وہ شرمندہ ہو کر زور سے ہنسا۔

”تم۔۔۔۔۔ طاقتور انسان کی بیٹی تو پہچان نہیں کہ وہ سونا اور بہت سارے
 رکھتا ہو۔۔۔۔۔ بلکہ۔۔۔۔۔ بعض۔۔۔۔۔ بلکہ۔۔۔۔۔ میں الفاظ احمول نے لگی۔

”بلکہ؟“ اس نے شوق سے پوچھا۔

”تم بے وقوف ہو“ میں نے اسے دور دھکیل کر کہا۔

آقا اور غلام کا رشتہ بھی کاٹت چکا تھا۔

اس کے چند دن کیسے گزرے۔ شاید اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں
 اس اتنا کہ کافی ہے کہ مسلسل ٹھیکوں اور خود کشی کی دھمکیاں چلیں۔ اور آسمانوں
 کی لہریں برسنیں۔

لہا لہا ہی سجدہ اور خاموشی رہے۔

رشید کی بی بی کا ہر سہرے سونو گرام کی جگہ ایک سیاہ پیڑ ٹھکانے لگا ہے
 انہیں اب بھٹی باٹل نہیں ملتی۔

میں کافی برابر جاتی ہوں۔
 بلور وقت پر سوزاں بھی نہیں لگتا۔ بیٹھ جلدی لگتا ہے۔



بھالی

بھالی بیاہ کر آئی تھی تو مشکل سے چند برس کی ہو گی۔ بھوار بھی تو چوری نہیں ہوئی تھی۔ بھیا کی صورت سے ایسی لڑائی تھی جیسے بھائی سے گائے گھر سال بھر کے اندر ہی وہ تو جیسے منہ بند کالی سے کھل کر پھول بن گئی جسم بھر گیا۔ ہاں گھیرے ہوئے۔ آنکھوں میں ہرچوں جیسی وحشت دور ہو کر غور اور شرارت بھر گئی۔

بھالی ذرا آزاد قسم کے خاندان سے تھی 'کالونیت' میں تعلیم پائی تھی۔ پچھلے سال اس کی بیوی بمن ایک جیسمانی کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ اس لئے اس کے ماں باپ نے دار کے بارے جلدی سے اسے 'کالونیت' سے اٹھایا اور چنٹ پٹ شادی کر دی۔

بھالی آزاد لفظ میں پائی تھی۔ ہر پٹوں کی طرح تھا لیکن بھرنے کی مادی تھی مگر سرسرا اور تنک دونوں طرف سے اس پر کڑی نگرانی تھی اور بھیا کی بھی یہی کو شش تھی کہ اگر جلدی سے اسے پکی گھر جتن نہ بٹا دیا گیا تو وہ بھی اپنی بیوی بمن کی طرح کوئی گل کھلائے گی۔ تاکہ وہ شادی شدہ تھی۔ لہذا اسے گھر جتن بٹانے پر جنت تھے۔

چار پانچ سال کے اندر بھالی کو گھس گھسا کر واقعی سب نے گھر جتن بٹا دیا۔ وہ تین بچوں کی ماں بن کر بھری اور ختم ہو گئی۔ ان اسے خوب مرنی کا شربہ 'گوشت سٹورے' کھاتیں۔ بھیا ٹانگ پٹاتے اور ہر پٹے کے بعد وہ دس چھ دس چھ بٹاتے۔

آہستہ آہستہ اس نے بٹا سٹورہ چھوڑ دی دیا تھا۔ بھیا کو لپ انگ سے نفرت تھی۔ آنکھوں میں منوں کھل اور مسکرا دیکھ کر وہ چڑھ جاتے۔ بھیا کو بس

گھلی رنگ پنڈ تھا یا بھر سر۔۔۔ بھالی زیادہ تر گھلی یا سرخ ہی پہننے پر تیار کرتی تھی۔ گھلی ساڑھی پر سرخ پلاؤ یا کچی گھلی کے ساتھ بٹا کر لگاتی۔

شادی کے وقت اس کے ہاں کٹے ہوئے تھے۔ گھر دو کمن بٹاتے وقت ایسے گل چڑ کر ہارے گئے تھے لیکن پتہ نہیں چن تھا کہ وہ ہر کئی صبح بے لپ اس کے ہاں تو چھو گئے تھے لیکن پتہ وہ ہے بٹے ہونے کی وجہ سے وہ ذرا سمجھی سی ہو گئی تھی۔ ویسے بھی وہ ہاں کس کر ٹیکل دیکھی سی بٹا کر لیا کرتی تھی۔ اس کے ماں کو وہ ٹیکل ٹیکل لینی سی بی بیاری تھی اور بٹے سرسرا دالے بھی اس کی مادی کو دیکھ کر اس کی طرفوں کے گن گاتے تھے۔ بھالی تھی بی بیاری سی 'یکل لٹش' کھن بھی رنگت 'مڈول بٹا' پٹاؤں۔ مگر اس نے اس بری طرح اپنے آپ کو اسیلا پھر دیا تھا کہ خیرے آنے کی طرح رہ گئی تھی۔

بھیا اس سے نو برس بڑے تھے مگر اس کے سامنے ٹوٹے سے گتے تھے۔ ویسے ہی مڈول کرتی بدن والے 'دو دو درزش' کرتے 'بی بی احتیاد' سے کھانا کھاتے بڑے صاحب سے سکرٹ پیچے۔ جو عمل کچی دیکھ کر جک جک لیتے۔ ان کے چہرے پر لپ لڑکھن تھا۔ تھے بھی نہیں انہیں برس کے۔ مگر وہیں جتنوں برس کے ہی گتے تھے۔

اب بھیا کو جین اور اسکرٹ سے کسی نفرت تھی۔ انہیں یہ نئے طبع کی بے احتیال کی بدن پر چٹکی ہوئی قبض سے بھی بی بی گن آتی تھی۔ ٹنگ مودی کی شلواریوں سے تو وہ ایسے بٹتے تھے کہ توپ خیر بھالی بے چاری تو شلواری قبض کے قائل رہ ہی نہیں گئی تھی۔ وہ تو بس زیادہ تر پلاؤ اور پٹی کوٹ پر ڈارینگ بٹاؤنا چھانے کھانا کرتی۔ کوئی چان بھان والا نہ تھا تو بھی بے تعلقی سے وہی اپنا ٹیکل اور بس پٹے دیتی۔ کوئی پر خلف صمان آتا تو صرا 'وہ اندر ہی بچوں سے سر ہار کرتی جو کچی باور تھا چٹا تو کچی سی ساڑھی پیٹ لیتی۔ وہ گھر جتن بھی 'بسو' تھی اور جیتنی تھی اسے دھڑکیوں کی طرح بن سٹور کر کسی کو بھانے کی کیا ضرورت تھی۔

اور بھالی شاید بے غمی گودا بنی اچھ اور بھراؤ ڈی ہو جاتی۔ بسو کی بیاہ کر لاتی

جو صبح اٹھ کر اسے جگ کر سلام کر تیں گور میں پناہ کھانے کو دیتی۔ مگر وہ ان کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

شام کا وقت تھا مگر سب لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ بھابی پازر گئے۔
 پورنی خانہ میں کئی تھی۔ پورنی نے پازر لال کر کے بھابھا کو بلا دیا۔ پازر بھابھا سے۔

انہوں نے پیار سے بھائی کی طرف دیکھا اور وہ جھٹ اٹھ کر پاؤں تلے جلی گئی
ہم لوگ عزت سے چائے پیئے رہے۔ اسے بھائی تھی کہ فرشتہ میں تو کالی سے آکر

بادرہنی خانہ میں جانے پر کسی طرح مجبور ہی تھیں کی جانکتی تھی اور نہ ہی میراث نام کو ہر تلف لباس بادرہنی خانہ کے لئے موزوں تھا۔ اس کے علاوہ مجھے پانچ سٹے ہی

کب آتے تھے۔ وہ مری نہیں بھی مہری نظام میں کھڑی تھیں۔ فریڈ کا مکتبہ آیا تھا۔ وہ اس کی طرف جتنی ہوئی تھی، رضیہ اور عظیم اپنے دوستوں کے ساتھ گئیں۔

لڑنے میں مصروف تھیں۔ وہ کیا پاؤں نہیں۔ اور ہم سب تو بائیں کے آگاہی کی
چڑیاں تھیں اور اڑنے کے لیے ہر قول دی تھیں۔

وہاں سے فٹ بال آرٹھن بھیا لی چال میں پڑی۔ ہم سب اچھل پڑے۔
بھیا مارے فخر کے بھتا اٹھے۔

بکھرے ہوئے ہاؤس کا گول مول سر اور بڑی بڑی آنکھیں اوپر سے

”میرا“ ایک نیا گھر بنی، جیسا کہ وہ چاہے تھی۔ اور وہ گھر کے بنی ہوئے تھے۔

”سودی۔۔۔ اتنی کم دیری سودی۔۔۔“ وہ ہکا بچہ تھے۔ ہم سب
رو کر گئے۔ دیکھا تو میز پر کے اور طرف ایک بار تار چمک رہی تھی۔

انپ اور نیو کے رنگ کا سلیو لیں بلاؤز ہے اپنے میرٹھیں منہ کی طرح گئے ہوئے
ہوں میں تھی آج انکھاں پھر کر کھائی تھی بس رہی تھی اور پھر ہم سب ملے

جہاں پاپوں کی چٹ بٹے اندر سے نقل اور بغیر دھے گئے یہ سمجھ کر چنے گی
کہ ضرور کوئی شے کا مات ہو گا۔ اے کا اوصاف اوصاف چٹے شے میں سمجھ گئے گا

اور جب اسے معلوم ہوا کہ بھائی نے ختم کو لوٹا سمجھ کر اس کے ہاں پکڑے تو اور بھی زور زور سے قہقہے لگانے لگی کہ کئی بار کے عکسے لکھیں رہ گئے۔ ختم

نے بتایا کہ وہ اسی دن اپنے چچا خالد جمیل کے پاس آئی ہے۔ اگلے ہی گھبرایا وقت
 میں ہی لڑھکانے لگی جو قسمت سے بھائی کی پہلی برتن کوئی۔

چشم بھیا کو اپنی جیہیں سکا دھکی آنکھوں سے گھور رہی تھی۔ بھیا مسکراتے ہیں اسے تک رہے تھے۔ ایک کرنٹ ان دونوں کے درمیان دوڑ رہا تھا

یہ بھی اس کرنت سے کئی ہولی جیسے کوسوں دور نکلی تھی۔ اس کا پتہ کتا ہوا جوت
سم کر رک گیا۔ ہنسی نے اس کے ہونٹوں پر کھنکھرا کر دم تازہ کیا۔ اس کے ہاتھ

اچھے ہو گئے۔ پیٹ خیر بھی ہو کر پانچ کھاس رہا کرتے تھے۔ ہر ایک دم ۱۵ دھنوں جاگ چڑے اور غواہوں کی دنیا سے لوٹ آئے۔

”آپ نے جان لی گئی۔“ میں نے تھری ہوئی فضا کو دھکا دے کر آگے

ایک لپک کے ساتھ جنم نے اپنے ہر منظر کے اس پار سے اس پار

تھکے گئے۔ خیرم کارنگ پھیلے ہوئے سونے کی طرح ٹوڑے رہا تھا۔ اس کے بال

رنگ کے پلاؤز کا لگا ہوا بہت گہرا تھا۔ ہونٹ تیزوزی رنگ کے اور اسی رنگ کی نعلی

پس نکات سے آگاہی کی امری اعتباراً میں اس قسم کی ہدایت کی۔ چلی گئی۔

بھیا کچھ کم سے بڑھے تھے۔ بھلا انہیں ایسے آگ رہی تھی۔ جسے لی ہے

سے ایک اڑانے میں مصروف تھیں۔ چنی لگا لگا کر بھیجے لگ رہی تھیں۔ نکلے ہوئے
 قوسوں پر ڈھیر سا گھٹن اور نڈل توپ گردے کھائے جاری تھیں بھیا اور جھلم کو
 دیکھ دیکھ کر ہم سب ہی پریشان تھے اور شاید بھائی کو مدد ہوگی وہ اپنی پریشانی کو
 سران کھانوں میں دفن کر رہی تھیں۔ انہیں ہر وقت کھنی ڈاکریں کیا کرتیں مگر وہ
 چاروں کا کھاکر پاؤں قدرے بھم کرتیں۔ وہ کسی کسی نگاہوں سے بھیا کی اور جھلم کو
 ہنسا ہنسا دیکھتیں۔ بھیا تو کچھ اور بھی کونڈے لگتے لگتے تھے۔ جھلم کے ساتھ وہ بکا
 شام سندھ میں تھرتے۔ بھائی اچھا بھلا تیرا جانی۔ مگر بھیا کو سو رنگ سو پتی
 حور و قوس سے بہت غرت تھی۔ ایک دن ہم سب سندھ میں نما رہے تھے۔ جھلم وہ
 دھجیاں پہنے ڈاکن کی طرح پانی میں مل کھا رہی تھی۔ اتنے میں بھائی بدوہ سے نکلے
 کو بکا رہی تھیں۔ آگئیں۔ بھیا شرارت کے موہ میں تو تھے ہی "وہ ڈاکر انہیں بکا
 لیا اور ہم سب نے مل کر انہیں پانی میں سمیٹ لیا اب سے جھلم اتنی تھی۔ بھیا
 بہت شرم ہو گئے تھے۔ ایک دم سے وہ دانست لکھا کر بھائی کو ہم سب کے سامنے
 بھیجے بیٹے۔ انہیں گویا میں اٹھانے کی کوشش کرتے۔ مگر وہ ان کے ہاتھوں میں سے
 ہونٹ چھلی کی طرح پھسل جائیں۔ مگر وہ کھیا کر رہ جاتے۔ جیسے تخیل میں وہ جھلم
 ہی کو اٹھا رہے تھے اور بھائی کی کھائی کی طرح بھم وہ کر رہا "بھنگ یا کوئی اور
 حوسے دار دانش تیار کرنے چلی جائیں۔ اس وقت ہم انہیں پانی میں دھکیلا کیا تو وہ
 گھوڑی کی طرح اڑکھ گئیں۔ ان کے کپڑے جسم پر چپک گئے اور ان کے جسم کا
 سارا بھونچا پانی ہریاک طریقہ پر ابھر آیا۔ کہیں جیسے کسی نے ڈنگ لیٹ دی تھی۔
 کپڑوں میں وہ اتنی بھیا ک نہیں معلوم ہوتی تھیں۔

"مگر کتنی سوتی ہو گی ہو تم۔" بھیا نے ان کے کونے کا ہوا بکا کر کہا۔ ال
 توہ تو دیکھ۔۔۔۔۔ پائل لگا پھلان معلوم ہو رہی ہو۔"

"بند چار بچے ہونے کے بعد کمر۔"

"سیرے لگی تو چار بچے ہیں۔۔۔۔۔ میری کمر تو کھلا کا کھرا نہیں بی "انہوں
 نے اپنے منہوں میں کھوک بھا کر کہا اور بھائی سے تھوکانے بجتی مٹی کی طرح ہی

داتی بھر بھیاں بچی ریت میں کمرے کمرے گڑھے بنائی تھے کو تھینتی چلی تھیں۔
 بھیا بالکل بے توجہ ہو کر جھلم کو پانی میں ڈالیں دینے لگے۔ مگر وہ کھیا ہاتھ آنے
 والی تھی۔ ایسا اڑکھا لگا کر غراب سے کونڈے منہ کر رہا۔

جب نما کر آنے تو بھائی سر بھائے غرابوں کے سر پر کمر کی تہ جاری
 تھیں "ان کے ہونٹ سفید ہو رہے تھے اور آنکھیں سرخ تھیں۔ گھبراہٹ کی گزراں
 جیسے سوئے سوئے لگال اور سوئے سوئے معلوم ہو رہے تھے۔

لچا پر بھائی بے انتہا تھیں تھیں۔ لگا ہوا تیزی سے غرابوں کا سر اور
 کمر کھائے پر چلی ہوئی تھی۔ جھلم نے ڈال کی طرف دیکھ کر ایسے بھاری لی جیسے
 غرابیاں نہ ہوں سانپ چھو ہوں۔

"زیر ہے زہرا" اس نے غلات سے لکڑی کا ٹکڑا کھڑے ہوئے کہا۔ اور
 بھیا بھائی کو گھورنے لگے۔ مگر وہ شائبہ سر اڑائی رہیں۔
 "نہ ہے" انہوں نے تھکے پڑنا کر کہا۔

بھائی نے کوئی دھیان نہ دیا اور قریب قریب پوری دانش ریت میں اڑا لیا۔
 انہیں سر پہاڑے دیکھ کر بھیا معلوم ہوا تھا جیسے وہ رنگ و مدد کے طوفان کو
 روکنے کے لئے بند باندھ رہی ہوں۔ یہ کمر چھلی کی پٹانوں کی صورت میں ان کے
 جسم کے تھکے کو ناقص تھیرتا دے گی۔ مگر شاید دل میں یوں نہیں نہ انہیں کی۔
 بھیا کی اور جھلم کی مسکرائی ہوئی آنکھوں کے کھرا سے بھڑکنے والے شعلے ان
 چھری دار ابدوں کو نہ بچھا سکیں گے۔

"خدا کے لئے بس کرو۔۔۔۔۔ ڈاکر لگی مع کرنا ہے بھیا لگی کیا پتھر پتی۔"
 بھیا نے کمر ہی "دا" موسم کی دوا کی طرح بھائی پھسل گئیں۔ بھیا کا شتر چھلی کی
 دوا ابدوں کو چھڑا ہوا ٹھیک دل میں اڑ گیا۔ سوئے سوئے آنسو بھائی کے پھولے
 ہوئے کھانوں پر پھسلے گئے۔ سکیں نے جسم کے ڈھیر میں ڈال دیا۔ دلی علی
 اور ڈاکر ڈاکیں کس لطیف اور سائے انداز میں دوئی ہیں۔ مگر بھائی کو دوتے دیکھ
 کر بھائے دھک کے ہنس اتنی تھی جیسے کوئی روٹی کے پھلے ہوئے ڈھیر کو ڈھنوں سے

وہ ناک پر چھٹی ہوئی اٹھنے لگیں مگر ہم لوگوں نے روک لیا اور ہمیا کو ڈانٹنا شروع کر کے واپس انہیں بٹھا لیا۔ چھاری ناک سڑکائی بیڑہ تھیں۔ تحریب انہوں نے کافی میں تھیں بیچ شکر وال کر کریم کی طرف ہاتھ بڑھاوا تو ایک دم ٹھٹھک گئیں۔ کسی ہوئی انہوں سے ختم اور ہمیا کی طرف دیکھا۔ ختم بھٹکتا اپنی ہنسی روکے ہوئے تھی ہمیا مارے غصہ کے روانے ہو رہے تھے۔ وہ ایک دم بھٹا کر اٹھے اور جا کر پرتوے میں بیڑہ گئے۔ اس کے بعد حالات اور بگڑے۔ بھائی نے ختم کھانا اعلان جنگ کر دیا۔ کسی زمانے میں بھائی کا چھاتی خون بہت گرم تھا۔ ذرا سی بات پر ہاتھ پائی پر اتر آیا کرتی تھیں اور ہمارا ہمیا سے غصہ ہو کر جھانے منہ پھیلانے کے وہ خود غوار پٹی کی طرح ان پر ٹوٹ چڑھیں ان کا منہ کھسٹا۔ انہیں۔ دانتوں سے گرجان کی دھجیاں اڑا دیتی۔ پھر ہمیا انہیں اپنی ہانوں میں جڑ کر بے بس کر دیتے اور وہ ان کے پیچھے سے لگ کر پیاسی زاری ہوئی چڑیا کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتیں پھر ماپ ہو جاتا اور بیچیں کھینچی وہ ہمیا کے منہ پر لگے ہوئے کھڑے ٹھوٹا پر چار سے چھڑک دیتی۔ ان کے گرجان کو روک کر دیتی۔ اور جیٹی جیٹی شکر گزار آنکھوں سے انہیں بختی دیتی۔

یہ سب کی بات ہے جب ہماری یہی پہچانی تجزی کی طرح طوار تھیں کرتی ہوئی
 پہچانی کی پیشین گوئی معلوم ہوئی تھیں۔ کیا کو ان کے قصہ آنے کے جہانے اور شدت
 سے بھرا آتا۔ مگر سب ان کے گوشے نے جہاد بول دیا تھا۔ وہ بہت اعلیٰ کی ذمگی
 تھیں۔ انہیں اول تو قصہ ہی نہ آتا اور اگر آتا بھی تو فوراً "اور اور کام میں لگ کر
 بھول جاتیں۔"

اس دن انہوں نے اپنے ہماری بھرم ڈال کر بھول کر بھیاہر حملہ کر دیا تھا۔ صرف ان کے پیچھے سے دھکا کھا کر دھار سے چاٹنے۔ روٹی کے ٹکڑوں کو ان کے ہاتھوں سے دیکھ کر انہیں حلف کھن تھی۔ نہ خیر ہوئے۔ نہ جلائے۔ شربتہ وہ اس سر ہٹانے کہتے سے نکل جائے۔ بھلی وہیں پہن کر روئے گئیں۔

بات اور دوسری اور ایک دن بھیا کے مائے آکر بھائی کو لے گئے۔ فطیل بھائی کے چچا زاد بھائی تھے۔ انہیں دیکھ کر وہ بچوں کی طرح ان سے پتہ کر دوئے نکلیں۔ انہوں نے بھائی کو پانچ سال بعد دیکھا تھا۔ وہ مکمل گیند کو دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے سٹ پائے پھر انہوں نے بھائی کو شخصی بچ کی طرح سینے سے لگا لیا۔ بھیا اس وقت خشم کے ساتھ کرکٹ کا کچھ دیکھنے کے ہوئے تھے فطیل نے شام تک ان کا انتظار کیا۔ وہ نہ آئے تو مجبوراً بھائی اور بچوں کا سامان چار کیا گیا۔

جانے سے پہلے بھاگزی بھر کو کھڑے کھڑے آئے۔
"دہلی کے تھان میں نے ان کے صبر میں دیے۔" انہوں نے رکھائی سے
نکل کر کہا۔

— ۱۲۷ —

”ہاں۔۔۔۔۔ عقل کے تقاضات دیکھ کر اس نے بھی ہنس دیا۔“

مکر خفا — خفا کا کیا ہے؟

— *—*

”ہو جائیں تو انہیں لے جائیں۔۔۔۔۔ ورنہ میں نے یورپ تک میں انتظام کر لیا“

ایک چراغ دکھائی دیا۔ چھپیں۔ مگر انہیں کھوٹے کی بہت سی ہڈی
 ٹھنک گئیں۔

اور پھر اسی نے اپنی نسوانیت کی پوری طرح بے آبروئی کر ڈالی۔ وہ بھیا کے رشتہ گنہگار نہیں بلکہ رشتہ ڈالی۔

”تم اس سے شادی کرلو۔۔۔ میں بچہ نہ کہوں گی۔ مگر خدا کے لئے مجھے
 ہو۔ میں ہوں ہی زندگی گزار دوں گی۔ مجھے کوئی شکایت نہ ہو گی۔“

مگر جہاں نے لڑتے ہوئے کے قتل قتل کرتے ہوئے جسم کو دیکھا اور وہ

”میں طلاق دے چکا۔ اب۔۔۔ کیا ہو سکتا ہے۔“

مکمل ہو کر ان کے ساتھ رہا۔ وہ بڑے چلی گئے۔

”بے وقوف۔۔۔“ علیل نے ایک ہی جھٹکے میں ہتلی کو زمین سے اٹھا لیا۔

میں نے کہا: "جی ہاں، اور وہ اسے قتل کرنے لگے۔"

کیا دردِ ناگِ سہاں قیاد بنے پھوٹ پھوٹ کر دوںے میں ہم بھالی کا ساتھ دے رہے تھے۔ اہلِ خانہوش ایک ایک کا نہ تک رہی تھیں۔ اب کی موت کے بعد ان کی ٹکڑیوں کوئی حیثیت نہیں رہ گئی تھی۔ بھانود جلائے تھے بلکہ ہم سب کے سب موت تھے۔ اہلِ انیس بہت کچھ کر رہے تھے انیس میں اس دن کی اچھی طرح فکریں۔ مگر کیا کر سکتی تھیں۔

بھائی جلی گئیں۔۔۔۔۔ خدا ایسی لڑا پ ہو چکی تھی کہ بھیا اور شہنم بھی شادی کے بعد دل انشیز ہو رہے تھے۔

سات آٹھ سال گزر گئے کچھ کم و بیش ٹھیک اندازہ میں ہم سب اپنے اپنے گروں کی ہوئیں۔ اس کا انتقال ہو گیا۔ ابھی موت کے بعد وہ اہل گم سم ہو کر رہ گئی تھیں۔ انہوں نے بھائی کی حلاق پر دست درازہ بیٹھا تھا۔ مگر بھیا کے حواج سے وہ واقف تھیں۔ وہ بھی ابھی کی بھی نہیں سنتے تھے۔ کراہت میں اپنا ماتک ہو رہا ہے۔

آشیانہ اجڑ گیا۔ بھرا ہوا انگرستان ہو گیا۔ سب دوسرے اور اڑ گئے۔ سات
تھ سال آگے بچھکے نہ جانے کہاں گم ہو گئے۔ کئی سال ۱۰ سال میں بھیا کی کوئی خبر
نہ مل سکتی تھی۔ ۱۰ لاکھ ترہندوستان سے باہر ملکوں کی جنگ میں انھیں رہے مگر
سب ان کا ٹھکانہ کیا کہ وہ پہنچی کر رہے ہیں تو بھولا بھرا بھینچن بھرتے جاگ اٹھا۔ بھیا کو
فریسی سے اترے تو ہم ۱۰ دنوں پہلے کی طرح پہنچ گئے۔ جنم گھے کیس ٹھکر نہ تھی۔
ان کا سامان اتر رہا تھا۔ جیسے ہی بھیا سے اس کی خبریت پہنچے کہ مڑی دھپ سے
ایک دہلی ہاتھ میری پیٹے پر چڑا اور کئی من کا گرم گرم گوشت کا پانڈا مجھ سے پہنچ
گیا۔

مہمانی! میں نے اپنے ہارم سے بچے گرنے سے بچنے کے لئے کھڑکی میں جھول کر کہا۔ زندگی میں میں نے جہلم کو کبھی پہلی نہ کہا تھا۔ وہ کبھی بھی تو جہلم ہی تھی مگر آج میرے من سے بے اختیار پہلی نکل گیا۔ جہلم کی ہوا۔۔۔ وہ چند سالوں میں گوشت اور پست کا قہور کیسے بن گئی؟ میں نے سما کی طرف دیکھا وہ ویسے ہی دراز قد اور پھلے ہوئے تھے۔ ایک تار گوشت نہ اوپر نہ اوپر ہی کم بنی لڑکوں جیسے گھٹے ہاں۔ بس وہ چار سفید پٹائی کے تار کٹی ہوئے ہاتھ تھے جن سے وہ اور بھی حسین اور ہادار معلوم ہونے لگے تھے۔ ویسے کے ویسے چنان کی صحت سے ہونے لگے تھے۔ لمبی درپ درپ کر چنان کی اور لپکتی ہیں۔ اپنا سر اس کے قدموں میں دے رہی ہیں۔۔۔ ہاتھ پائی ہو کر کھڑک جاتی ہیں معدوم ہو جاتی ہیں۔ ہاتھ کر دھکی لوٹ جاتی ہیں۔ کچھ دیر اس کے قدموں میں دم توڑ دیتی ہیں اور ہی لمبی ہار سر دھاتی کے اوپر سے پہلے چنان کی طرف سنبھلی چلی تھی۔

اور چنانچہ؟ ان سجدوں سے دور۔۔۔۔۔ خطرے سے متکراتا رہتا ہے۔
اُس لاپرواہ اور بے رحم باپ بیٹا نے شہنشاہ کی تو سب ہی نے کہا
تھا۔۔۔۔۔ جہنم آزاد لڑی ہے، کچی عمر کی ہے۔۔۔۔۔ پہلی۔۔۔۔۔ تو یہ میں نے شہزاد
کو پیش پہلایا ہی تھا۔ ہاں تو شہزاد بھولی اور کم سن تھی۔۔۔۔۔ بیٹا کے قلم میں
آئی۔۔۔۔۔ یا نہیں اسیس اس کر بے سود کروئے گی۔ اسیس مزہ بھلائے گی۔
مزہ تو کہیں نہ صرف چنانچہ ہی بھلا سکتی ہے۔

”چلے بورڈنگ میں چھٹی نہیں تھی۔ ان کی۔۔۔ خجمن نے کھنی ڈاکروں
بھری سانس بھری گردن پر جھوڑ کر رکھا۔

اور میں نصرت سے اس گوشت کے ذمیر میں اس خشم کی چھوڑ کر دھوئے رہی تھی جس نے شہزادے کی چار کی آگ کو بجھا کر بجیا کے پیلے میں پی ٹاپ بھڑکا دی تھی۔ مگر یہ کیا؟ بجائے اس آگ میں جسم ہو جانے کے بجائے اور بھی سولے کی طرح چپ کر گھر آئے تھے۔ آگ خود اپنی پیش میں جسم ہو کر راکھ کا دھیرن کھٹی تھی۔ پھل تو کھن کا ذمیر تھی۔ مگر خشم تو جھلی ہوئی نیلی راکھ تھی۔

0 0 0 0 0 0 0 0 0 0 0 0 0 0 0 0 0 0 0 0

444

ہاں بانیوں سے گونج رہا تھا۔۔۔۔۔ شہنشاہ کی آنکھیں ہمایوں کو دھونڈ رہی تھیں۔۔۔۔۔ جہاں تو تازہ دہس بھری اور کریم کا جب لے آیا۔ بے خیالی میں شہنشاہ نے پتہ دہس بھریوں سے بھر لیا۔۔۔۔۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ آنکھیں چوت کمال ہوئی چوتھوں کی طرف بڑھان چڑھان بھر رہی تھیں۔

بجیر بھاڑ سے دور۔۔۔۔۔ نام کریک بائوٹی میں بجیا کھڑے مصری رقاصہ کا سر گتے لگا رہے تھے۔ ان کی پرشوش نگاہیں رقاصہ کی چٹائی آنکھوں سے الجھ رہی تھیں۔ چشم کا رنگ اڑا ہوا تھا اور وہ ایک بے شکم پہاڑ کی طرح کم سم جھنجھی تھی۔ چشم کو اپنی طرف کھنکا دیکر کریمیا رقاصہ کا بازو تھامے اپنی میز کی طرف لوٹ آئے اور ہمارا انتظار کرایا۔

"میری بہن" انہوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ رقصہ نے چپ کر میرے
 روبرو کھان لیا۔

”بھئی رگم“۔۔۔ انہوں نے ڈرامائی انداز میں کہا۔۔۔ جیسے کوئی میدان جنگ میں کھایا ہوا زخم کسی کو دکھا رہا ہو۔ راجہ دم خود ہمدہ گئی۔ جیسے اس نے اس کی رفیقہ حیات کو نہیں خود ان کی لاش کو طنز میں لفظوں دیکھ لیا ہو ”وہ حیات زہ ہو کر ظہم کو گھورنے لگی۔ پھر اس نے اپنے پیچھے کی ساری متاع اپنی آنکھوں میں سوکر ہویا کی طرف دیکھا اس کی ایک نظر میں لاکھوں لمبانے پوشیدہ تھے۔“ ”اے یہ ہمدستان جہاں جہالت سے کیسی کیسی بیماریاں پھیلیں رہی ہیں وہاں پر قیامت کی جانی ہیں۔“ قاتل پرستل ہیں وہ لوگ اور قاتل دم بھی جو ایسی ایسی ”سزائیں“ بھجھتے ہیں۔“

”ختم میری جلی نے رقاہ کی ٹکڑوں میں یہ سب بچھ بچھ لیا۔ اس کے ہاتھ اڑنے لگے۔ یہ پٹلی چپانے کے لئے اس نے کریم کا جبک اٹھا کر دھیر دھیر اپنے منہ میں ڈال دیا اور جھٹکی۔“

ہمارے بھائی! وطن ہم اور مظلوم۔۔۔۔۔ سورج و آبی وطن مصلح اور

اس کا ساتھ کتنی رنگ مری ہوئی چاکلی کے چھت کی طرح اور زرد ہو چکا تھا۔ وہ شربت تھلی ہوئی آنکھیں گدی اور بے رونق ہو گئی تھی لیکن ناگن جیسی چاکلی ہوئی کرناکس دور دور تک پڑ چکا تھا۔ وہ مستقل طور پر حاملہ معلوم ہوئی تھی۔ وہ نازک نازک پتیلی شاخوں جیسی بائیس گمہ کی طرح گلاؤں میں ہو گئی تھیں۔ اس کے چہرے پر پہلے سے زیادہ پادار تھا ہوا تھا۔ آنکھیں مسکادہ سے تھنری ہوئی تھیں۔ بھونپوں شاید تھنری سے زیادہ کی گئی تھیں۔ بھی اتنی مری گئی تھیں کہ پی تھی۔

بھیا روئیں تھیں۔ رات کو زار بہم دہیں بچے گئے۔

کھیرے اپنے پر سے عروج پر تھا۔ مسمیٰ سینہ اپنے پھیلتے جیسے دھڑکتے کو
موتوں سے دی تھی۔ اس کے گونے انداز میں چل رہے تھے۔ سڈول
مرزوں بازو ہوا میں قہر خزاں ہے تھے۔ باریک نشان میں سے اس کی روپوشی
تاکیں داخلی رانیت کے تراشے ہوئے ستونوں کی طرح پہلو دکھائی تھیں۔ بھیجا
کی بجوی آگئیں اس کے جسم پر چھوٹی کی طرح رنگ دی تھی۔ وہ بار بار
آئی گدی پر اٹھتی بیٹ سلا دے تھے۔

[illegible]

آؤ کھنڈا نے ایک بھر پور سالس کیپٹی ——— سلا کر ہے۔۔۔۔۔ اور کم قابل
 لکچر اٹھا۔ مصری راجہ کی کمر نے آفری حکمرانے لئے اور علاج ہو کر مر مر مر

مگر امتحان ہی چھوڑ دیا۔ اس کی بجائے وہ اپنے کلاس کے دوستوں سے مل کر رہا رہا۔
 سب سے پہلے اس کی چھٹی ہوئی بیوی کی فکر تھی۔ وہ اس کی فکر کا
 شروع کرتی تو ایسا لگتا جیسے زمین کے نیچے کی گلیوں کی طرح تھکتی ہوئی اور
 دوسرے گلیوں سے زمین سے اٹھ جاتی ہیں۔ جیسے ہی اس کی کسی سے تھکنا شروع
 ہوتی تھی اس کے دل میں تڑپاؤ پیدا ہوتا تھا۔ اس کی چھٹی امتحان ہی اس کی کسی سے تھکنا
 اور وہاں کوئی لکھی ہوئی جملہ لکھی ہوئی دیکھ کر اس کی جانب بڑھ رہی تھی۔

انتیازی بیچہ کی پانچویں جنوں نے دو ٹانگی کی کہ غریب غریب نہیں ہیں کی
بھلی بنی گوری خانم اب تک کواری دھری تھیں۔ بھتیہ اس سال بھائی پر سوار
خانم کو نہیں غریب تھے کہ تھوڑے غریب آ رہے تھے۔ کتوارے ملے نہیں چاہا ہے
رخا ہے نہیں ہوتے۔ پہلے زمانے میں تو ہر مہینہ چار کو لٹکانے لگا رہا تھا۔ مگر
اب سے یہ ہسپتال اور ڈاکٹر یہاں آئے ہیں 'تو میں نے مرے کی قسم کھائی ہے'
جیسے دیکھو حالت کے پورے پر کسی ہوئی ہے۔ بڑی مسمانی کی بیماری کے دنوں میں ہی
انتیازی بیچہ نے حساب لگایا تھا۔ لیکن ان کے فرشتوں کو بھی پتہ نہ تھا کہ وہ پلٹو
کیلے بھی تھیں میں ہنس ڈالنے نہیں گے۔

شہادت ہاموں کی عمر کا مسئلہ یہی نازک صورت اختیار کر گیا۔ قمر آباد اور نور خاں کیلئے تو وہ ابھی لڑکا ہی تھے۔ اس لئے وہ تو مارے بول کے برسوں کی حقیقی میں بار بار تھپٹاؤں دیتے۔ کہیں کہ ان کی عمر کا حساب لگ جانے سے خود خاںوں کی عمر بڑھ جاتی تھی۔ لہذا اپنا دین نہیں باہل حلف سست سے حملہ آور ہو گئے۔ انہوں نے فوراً امتیازی جہیز کے نواس دلا دیا اور کچھ بڑا۔ جس کا تھوکر بچہ کی بکھری رنگ تھا۔ تاکہ وہ ان کی نواس پر سست لے آیا تھا۔

تھم جاتی ہے۔ چھوٹی سی مٹلی تھی، جس کے والد شہابی فوج میں برقی انماز تھے۔ وہ کہاں مار کھاتے والوں میں سے تھیں۔ بھرتہ بدل کر وار خالی دوا اور شہزادی بیگم کی پاتی پر فوج میں سے کچھ بندوقیں خانہ کی ناک کھڑا رہی تھی۔ یہی وہ روزِ اولیٰ میں چند کھٹکوں کے اسکول میں پڑھنے جایا کرتی تھی۔ اس زمانے

میں اسکو بلانا ہی بیماریک سمجھا جاتا تھا جتنا رنج کل کوئی عموں میں ہونے لگا۔

شہادت ناموں پر سے مشغول ہوئی تھی۔ نہایت سحرافشت، چمڑا بدن،
دور مینانہ قد، انتہائی پیچہ سارے میں کوئی برقی قمیص کہ خضاب لگاتے ہیں مگر آج
تک کسی نے کوئی سفید بال ان کے سر میں نہیں دیکھا اس لئے یہ اندازہ لگانا مشکل
تاکہ کہ خضاب لگا کا کب شروع کیا۔۔۔۔۔ ہوں دیکھنے میں باطل جان گنتے تھے واقعی
پالیس کے قمیص پہنتے تھے۔ جب ان پر پیتھون کی بہت زور کی بارش ہوئی تو یو کھلا
کہ انہوں نے حلقہ جنوں کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ "لوٹو یا اتنی جھگھوری نہ ہو کہ
جنی لگے اور ایسی کموت بھی نہ ہو کہ ان کی لباس لگے۔

”سولی کیا غولیان ہوا نام!“ امتیازی بچہ کو کچھ نہ سوجھا تو ہم ہی میں کیزے کھائے گئیں مگر بہنوں نے ایسا سوچ کساکہ ان کی کسی نے نہ سنی۔

مکرم زادہ سولہ سے ایک دن زیادہ کی ہو تو سورج آٹھ بجے سورج اُترے شام ۴ بجے
سے چھ بجے کاہلی۔ گھرانہ کی کسی نے نہ سنی۔ وہ اپنی گوری عجم کی بازو پار لگائے کیلئے
خڑائی نہ خڑائی دن کاہلی تھیں۔

دعوتِ بیکم تھیں کہ بس کوئی دیکھے تو دیکھنا ہی رہ جائے۔ جیسے پہلی کا نازک
نرمایا ہوا چادر کسی نے اٹا لیا ہو۔ شکل دیکھتے چادر ہی نہ بھرے۔ کوئی تو چادر
کے بعد چھتا پھول نہ چڑھے۔ رعیت ایسی جیسے دھکا کھوں۔ جسم میں ہڈی کا نام
نہیں جیسے سخت میدانے کی کوئی پگھلے گاٹیں چڑھا ہو۔ نسوانیت اس غضب کی
جیسے درجن بھر عورتوں کا ست لچوڑ کر بھڑا ہو۔ گرم گرم پٹلیں سی لٹکی تھیں شاید
بھول چھ سوہ برس کی ہوں گی مگر انہیں ہیں کی اٹھن تھی ہنوں نے ماسوں کو
چھوہوں سالن چایا تھا۔ انہیں ذرا سا کھٹت تو ہوا مگر پھر ہل گئے۔ کھسکی تو کوئی بڑا
جرم نہیں۔

سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ بے انتہا سلسلے گھر کا بوجھ تھیں۔ دونوں طرف کا غریب ماحول کے سرچا۔ چپ رشتہ مملتی بیواہ کہ انہیں تو انہیں غور سے

دیکھ کے ہاموں کے سینے پھوٹ گئے۔

"یابی! یہ تو بالکل یابی ہے!" انہوں نے بولا کر کہا۔

"لوئی! خدا خیر کرے! اسے یہاں قتل دیکھو! قتل کی وحشا دیکھو۔"

مرد ساٹھا اور پانچا۔ وہی شیشی لودر تھی۔ وہ چار بچے ہوئے تھیں کہ ساری

قلبی اتر جائے گی۔ گوشت میں نہ سولہ سٹکار دیں گے نہ یہ رنگ و روغن نہ یہ

چھتاہی کر رہے گی۔ نہ ہاتھوں کا لالچ۔ برابر کی نہ تھگے گئے تو چور کا حال سو میرا۔

میں تو کموں دس سال میں بڑی بھائی جان کی طرح ہو جائے گی۔"

"تھم نام اپنے بھلا کیلئے ساز سے ہار برس کی لائیں گے۔" غلام چلیں۔

"بھلا! ہاموں شہا گئے۔"

"دوسری وہی نہیں تھی! اس لئے تیسری۔" شہرہ بیگم بولیں۔

"کیا ایک رہی ہو؟"

"ہاں یہاں بڑے بوڑھوں سے سنتے آئے ہیں۔ دوسری تو تیسری کا صدقہ

ہوتی ہے! اسی لئے پرانے زمانے میں لوگ دوسری شادی کرنا سے کراہ کر رہتے تھے۔

تاکہ ہار نہ دیکھیں آئے وہ تیسری ہو۔"

ہاموں نے سمجھا اور ہاموں کچھ گئے۔ ہر جگہ ہی رشتہاتہ بیگم نے بھی سمجھا

دیا۔ وہ تین سال میں اچھے کھانے پکڑنے اور عاشقی دار ہماں نے وہ جلدو پیرا کہ

بیلی کا چاند چودھویں کا ہفتاب ہو گیا! وہ چاندنی بنگلی کہ دیکھتے والوں کی آنکھیں

بھٹک گئیں۔ ہر پار سے شعاہیں پھوٹ تھیں۔ شہامت ہاموں پر ایسا فتنہ

سوار ہوا کہ بالکل دست ہو گئے۔ شہر پر جلد ہی بے چین ہونے والی تھی! دور نہ آئے

دن کے دفتر سے غصے ضرور دیکھ لائے۔

ہاموں کے لئے دس کے ایک بجیا تھے۔ بڑی مسمیٰ تو دلہائے ہی میں ہی سے

اڑ چکی تھیں۔ ان کی کمان بھی چڑھی ہی نہیں۔ اب تک زہرہ رہیں صورت کو

ترستی رہیں۔ کل اولاد خدا نے دی ہی نہیں کہ اوسری بھل جائے۔ یہاں ہاموں کے

چھپتے بھائی۔ صورت نہ دیکھیں تو کھانا نہ بیٹے۔ دفتر سے سیدھے کسی بہن کے یہاں

بچنے! رات کا کھانا دیں سے کھا کر آتے۔ ہر بھی روزانہ خوں سہائے رات تک

نیشی دلو کا کرشم! کسی دن اطلاق سے کھانچتے تو ان کی زندگی کا شہد ہر راہو جاتا۔

آئے دن ہاموں کے پاس بنگلے رہتے۔ بھونوں کو بھی بھونوں کو بھی پلا تھیں کمرے

بے چاری وہاں غریب الوطن سی تھیں۔ سب نے پانا پھوڑ دیا۔ شہامت ہاموں کو

بھی بار دوستان کی دعوت کئی ہوتی تو قبولی اور بھرے کی مصلحتیں جیتیں تو یہی کو

پتہ بھی نہ چلا! ہمیں سب انتقام کر دیتیں! یہ ان ہی کے ہاتھ میں دوسرے دسے

دیتے۔

کسی نے مسمیٰ کو دانے دی کہ یہاں کو کھار کرنے کا بس ایک گر ہے اسے

ایسے کھانے کھاؤ کہ کسی کے گھر کا ذوالہ نہ نہ کو نہ گئے۔ بس بی مسمیٰ نے کھانا

پکانے کی کتابیں دیکھیں! بس کی کھیر اور بادام کے ٹکٹے! دم کا سرخ اور پھل کے

کھاب پکانے جنہیں کھا کر ہاموں نے فیصلہ کیا کہ وہ انہیں زہر دے کر مارنا چاہتی

ہیں۔

ممان خوں قہقہہ قہقہہ کر رہ گئیں۔

کمری لوئی کا چاند آتے ہی سرچڑھ کر بولے لگا۔ نہ کہیں آنے کے دے

نہ جانے کے نہ کسی کا کتا بھارتے۔ بس یہاں ہیں لودر وہی۔ کیا بارگ و بھار سا بھائی

بنگلی بھارتے میں کمرے ان کی طرح بے دم اور بے موت ہو گیا! دنیا اہواز ہو گئی۔

اپنے ہاں آپ کھانڈی ماری۔ گوری بیگم سے شادی کرا دی ہوتی تو یوں بھیا

صاحب اقتدار ہو جاتے۔

"اسے بھائی بھیا کہ آٹھل میں کب تک ہمارے رکھو گی! مردوات ہے کوئی

بھلا نہ ہمیں کہ ہر دم کوسے سے لگائے نیشی ہیں۔"

لاکھ ٹھینے دے جاتے! دوسن بیگم ہیں کہ کھی کھی ہنس رہی ہیں اور یہاں کاٹھ

کے آٹھ کھینے جاتے ہیں! اپنی عورت ہے کوئی پڑوسی کی نہیں کہ بس گئے چار بے

ہیں۔ بگڑنے کی طرح۔

ہاموں وہ ہاموں ہی نہ رہے۔ انی کیسی توایاں اور کیسے بھرے بس وہی تھی

کاغذ نیچا رہی ہے، آپ کاغذ رہے ہیں۔

میرے بس "نورِ قمر" دن کے چمکے ہیں، یہ بھاری ہوا نہیں کہ سارا
دن بچا شمع۔ ایک نہ ایک دن تو بھائی کا بھی بھرے گا۔" دونوں کو تسلی ملی۔

[illegible]

پہلے وہاں میں بھی دستانہ ممالی کے صحن کو گھس نہ لگا۔ جسم جھیل کیا کر
ہوا دیکھ رہا۔ نہ جھولیں، نہ سوچیں، نہ آنکھوں کے گرد ہتھکنڈے نہ پہنے ہارے میں کوئی
تلفیق۔

چاپے کے بعد چٹ سے کھڑی ہو گئیں۔ کیا حال جو کمرہاں برابر بھی مٹتی ہوئی ہو، وہی کھواروں جیسا لگ۔ دار جسم، بجلی ہی کے چاپے میں ہل بھڑھاتے ہیں، ان کے وہ لہرہ لہرہ کے چاہے کے طور پر دھوا دھوا رہے ہو گئے۔

ہاں یہی کہ بدلے ذرا ہاموں بھگت کے، چھپے چھپے انہوں نے یہ چڑا کیا ہو۔ تو وہی ہی تو وہ بھگت آئی۔ گاؤں میں لمبی لمبی شاخیں کھڑی ہو گئیں، ہاں پہلے سے زیادہ سفید ہو گئے۔ اگر دائمی نہ بنی ہو تو گاؤں پر چوکی کے سفید سفید بڑے بڑے آئے۔

جب دو سال بعد نبی ہوئی تو ماسوں کی قدر اور آگے ٹھیک تھی۔ انھوں نے مجھے کہاں گئے تھے۔ چلی ڈانڈ کا روڈ چاہو سے باہر ہو گیا تو مجھ پر "ٹھکرا چڑی" ایک ایسا ٹھیکہ ساری عمرات کی چولیس ہو گئیں۔

ان دونوں مسائل کی عقل والہ نگاہ دی گئی۔
شہادت ناموں کی قبضی اصلی دلائلوں سے زیادہ یقین دہانی۔ مگر الزام قبول
کے سرگرم۔

اجازت دینے کے حساب سے رشادہ مہمانی چھتیس برس کی تھیں۔ گو اب وہ کبھی بچوں کے ساتھ دھوا چوڑی پہنانے کے موقع میں آجائیں تو سولہ برس کی لگنے لگتیں۔ کئی سال سے عمر کا پتہ مارک کیا تھا۔ ایسا معلوم ہوا تھا ان کی عمر اڑھائی نو کی طرف ایک جگہ جم گئی ہے اور آگے بڑھنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ رشادہ کے دل پر آسے چلے۔ دیکھے بھی جب اپنے ہاتھ پر لگنے لگنے تو نوجوانوں کی طرف سے "منہ زور" ٹھوڑے کی دھمکی کی طرف بھیجے میں لگتی ہیں۔ اور مہمانی تو صاف اجازت میں حیانت کر رہی تھیں۔ رشادہ اور اہل مشابہت کا تو یہ قصدا تھا کہ وہ شوہر کو اپنا خزانے بھاری سمجھتیں۔ اچھے برے میں ان کا ساتھ دیتی۔ یہ نہیں کہ وہ لگنے لگنے پہننے میں اور نیکم بہ قصدا مرثیوں کے چبھے دوڑ رہی ہیں۔

”مے بھائی! تم بے خدا کی سودا نہ سہی خبر ہے نہ حق کی! بھڑنگی بنی مر نہیں
کھڑے رہی ہو!“

”اے آپا کیوں تھوڑے سے؟“

"اولیٰ" کو اور سنو اسے لی میں تمہاری خلاف کب سے ہو گئی؟ شبن بھائی مجھے
سے ہمارا سوال بدلتے ہیں بادشاہ اٹھتے۔۔۔۔۔ پڑا بھائی باپ برابر۔۔۔۔۔ تم بھی میری
مدد ہی ہو، غوردار جو تم نے کر رکھا ہے خلاف کہا۔

”جی ہمت اچھا.....“ شادی سے پہلے رفعتاہ مصلیٰ کی اماں اس کی دھن دہل
سین کھلاتی تھیں۔

وہی صحنہ اور کم سنی، جس نے ایک ہی شہادت ہمسوں کو غلام بنا لیا تھا۔ صاب
ان کی آنکھوں میں ٹپکتے تھے۔ نگرا، چہ جب دوسرے بچوں کے ساتھ تھیں، دوڑا تھا
چنہ کر ٹپک جاتا ہے کہ تم یہ اعلیٰ کر رہے ہو۔ صوفی ان کے ساتھ دعا کر رہی
تھیں۔ کبھی کبھی تو انہیں فریادیں ادا کی طرح ہوتا یا دوڑتے بھاگتے دیکھ کر ان کے
دل میں ہنس اٹھتے تھیں۔ وہ جل کر کوئلہ ہو جاتے۔

”کونوں کو بھانے کیلئے کیا تنہا کے چلتی ہو۔“ وہ ابرائیکے گئے ”ہی
ب کولی جو ہی بھلا آدمی ہو۔“

کدھے اور بک جاتے "آکھوں کی دہرائی ہو جاتی۔

ایک نکل ہوئی ہے۔۔۔۔۔ امر نکل۔۔۔۔۔ بڑے بڑے سنبھلے جیسے
 فاضل۔۔۔۔۔ جو نہیں ہوئی۔۔۔۔۔ بڑے فاضل کسی بھی سرسبز جگہ، ذال دے
 جاگیا تو نکل اس کا رس چوس کر پھلتی پھرتی ہے۔ پھلتی یہ نکل پھلتی ہے اسی ہی وہ
 جو نکلتا جاتا ہے۔

ہوں ہوں درختانِ جہنم کے پھل کھاتے جاتے تھے ماہوں سوکھتے جاتے تھے۔
 بیٹیں سرورِ ذکر کھسک پھر گئیں۔ بھائی کی دان بیان کرتی ہوئی صحت کو کچھ کران کا
 کچھ حد کو آتا تھا۔ باقی بھگت ہو گئے تھے۔ کھانیا کی شکایت تو تھی ہی، نزلِ امک
 طراپ جان ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے کہا خضابِ قطعی موافق نہیں۔ مجبوراً صندی
 لگائے گئے۔

سب چاروں دشمنان ایک ایک سے ہل سفید کرنے کے خط پے پہنچتی پہنچتی تھیں۔ کسی نے کہا اگر خوش ہو وار تھل ڈالو تو ہل جلدی سفید ہو جائیں گے۔ دکھایا نے خطر سر میں جم کر لیا۔ ہاتھوں کی تاک میں جو شمسٹ انجنری مددوش کن ٹوشو کی لٹینس پانچویں تو وہ غلیظ صیپ انہوں نے مٹائی پر لگنے کہ اگر بچوں کا خیال نہ ہو تا تو مٹائی کھن میں کوہ جائیں ان کے ہل سفید ہونے کی بجائے اور ملازم اور جملہ اہل کار کو مارنے لگے۔

مہلتی کی جوانی کے قور کیلئے ہاسوں نے طب یونانی کی تمام مجھیں "مقویات"
سختے اور کل استعمال کر ڈالے۔ تھوڑے دن کیلئے ان کی مہانت ہوئی جوانی ختم
گئی۔ بائینین لوٹ آیا۔ مہلتی نے کچھ دنیا داری کے واقعے کو سیکھے نہ تھے، خود رو
پورا تھیں۔۔۔۔۔ کسی کسی نے بارکیاں نہ سمجھا کیں۔ انا بھی سال کی تھیں مگر
فداوار برس بھی نا تجرب کار اور اعلیٰ تھیں۔

موزے سے چلاؤ تو اگلی جمل جاتا ہے وہاں کار عمل جو شروع ہوا تو ٹھہرتے
ہاںوں آگے گئے۔ ایک دم چھاپا ٹوٹ چلا۔ اگر وہ جسم اور دماغ کو کچل کر نکالتے تو
اسٹو برس میں ہی ٹھہرنا تو پ جاتی۔ اب وہ اپنی عمر سے زیادہ کھنکھتے گئے۔

ممبئی پہلے تو نس کر تھل دیتی، پھر جیو پ کر تھلار ہو جاتی۔ اس پر ماسوں اور بھی چڑخا رہا ہوتا تو ر بھادی بھادی اترام لگتا۔

”مکان سے آگئیں اور اسی گھنٹے سے تمہارا خلق ہے۔“
جب مملانی خانے میں وہ تاجیں۔ مونے مونے آنسو چمک اٹھنے لگیں سے
”وہ گھنٹے کر وہ اپنا جسم احک کر سر جھکانے کرے میں چلی جاتیں۔ یہاں کا کعبہ
کھنڈ جاتا“ ان کے چہرے تھے سے زمین کھمک جاتی وہ ان کے کمرے پر تھے ”ان
کے قدموں میں سر چھوڑتے“ ان کے آگے ناک دگڑتے ”وہ نے گھٹے۔“ میں کہیں
ہوں ”خرام زادہ ہوں“ بھولی لے کر پٹنے چاہا مارو۔ میری جان میری دلی میری ملک
شہزادہ کی۔“

اور دھندلے مٹائی اپنی دو پہلی ہانسیں ان کے گلے میں ڈال کر بھوں بھوں
 رہ گئی۔

”تمہارا جاشق زار ہوں میری جان۔“ دھک دھک سے جمل جمل کر خاک ہوا جاتا ہوں۔ تم تو مجھے کو گود میں لیتی ہو تو میرا ہون کو کسے گنا ہے۔ ”کی جانتا ہے سائے کا گنا گنوت۔“ میں مجھے معاف کر دو میری جان۔“ وہ پست معاف کر دیتی۔ اچھا معاف کر تیں کہ اقامت ہاس کی آنکھوں کے پتلے کور اور سے ہو جاتے کور وہ جی در تک گھٹے ہوئے ٹھیکری طعن اپنا کرتے۔

بھراپسے بھی دن آگئے کہ وہ سٹاپن گئی نہ مانگ سکے۔ لیکن کئی دن وہ روئے
 نہ رہے۔ بہنوں کی امیدیں بھٹک جاتیں۔

”بھیا جان بھالی کو کڑھا کڑھا کے مار رہے ہیں۔ اپ کوئی دن جاتا ہے کہ جو
مئے دن کی دانت کل کل رنگ لائے گی۔“

معدنی چھپ چھپ کر کھینکوں روئیں۔ آواز بھری گھون میں لالہ اُپلی
 دور سے گور بھی حرم رُحمانے نکلے۔ ستا ہوا زور چہرے سوئے کی گئی میں کسی ہے
 ایمان خار نے چاندی کی عادت سے بھادوی ہو۔ چپکے چپکے ہنست ہاتھ پر ابھی سی ایک
 وارفتہ لٹ۔ دیکھتے والے کلیم قہار کر رہ جاتے۔ حسن سوا گور کو دیکھ کر مہلوں کے

بھئی داد و تحارود نہیں، حکیم ڈاکٹر جواب دے چکے تھے لوگوں نے جان بچنے کے قدامتوں لئے ایہاں کے محل از وقت پر ڈھا ہونے کی کوئی دوا نہیں، جو ممانی کو کھلا دی جاتی۔ ضرور ان پر کوئی سوا ہمار قسم کا جن دایہ مو عاشق تھا کہ کسی طور سے ان کی جوانی دھسلے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ تصویر گنڈے ہر گئے، ٹوٹے ٹوٹے چہت ہو گئے۔

اسر تیل بھیجی رہی۔

ہر گہ کاچ سوکھتا رہا۔

قصوم ہو تو کوئی چھا دے، ہمسہ ہو تو بیخ کر چٹا چور کر دے۔ اٹھ کے ہاتھوں کا بٹا مانی کا پٹا، اگر صمیمین بھی ہو اور زندہ بھی، اس کی ہر سانس میں جوانی کی گرمی مسک رہی ہو تو ہر گہ کبھی نہیں چلا۔ اس کے چہتے ہوئے سورج کو اندانے کی ایک ہی ترکیب ہو سکتی ہے کہ کھانے کی مار دی جائے۔ کھی گوشت، اڑے، دودھ، قطعی بند۔ جب سے شہامت ہاموں کا ہاضمہ جواب دے گیا تھا، ممانی صرف بچوں کیلئے گوشت و دھندہ دگاتی تھیں۔ کبھی کھار ایک ٹوالہ خود بچہ لیتی تھیں، اب اس سے بھی پرہیز کر لیا۔ سب کو امید بندھ گئی کہ اب انتہاء اٹھ ضرور پھیلنا تشریف لے آئے گا۔

”اے بھالی، کیا اچھاں چکا کوڑیوں کی طرح سوئی شلوار قبضہ پہنتی ہو، اور بھی ٹھنی بی جاتی ہو۔“ سند نہیں۔۔۔۔۔۔ ہماری ہر کم پکڑے پنو کہ اپنی عمر کی لگو۔“

ممانی نے نکا ہوا دھندہ اور فرارہ پہن لیا۔

”کسی یاد کی بھل میں جانے کی تیار ہے۔“ ہاموں نے بچہ کے دئے، ممانی کپڑوں سے بھی ٹوٹ کھانے لگیں۔

”اے بھی یہ کیا ایک کھوہ وقت کی نماز چہستی ہو، بیچ و بھر کی حکومت اٹلو۔“

ممانی بیچ و بھر نماز چہستی لگیں۔ جب سے ہاموں کی خندہ بڑھی اور لڑائی ہوئی تھی، خیر کے وقت سے جانا چہ آ تھا۔

”صبر سے مرنے کے نکل چاہ رہی ہو۔“ ہاموں ہنسرے۔

دلی تو قصیں، دن رات کی دانا کل کل سے اور بھی دھان پان ہو گئیں۔ کھی گوشت سے پرہیز ہوا تو رنگ اور بھی خھر تیا، تھلا ایسی شفاف ہو گئی کہ جیسے کوئی دم میں بطوری طرح آ رہا نظر آنے لگے گا۔ چہرے پر جب نور سا اتر آیا۔ پہلے دیکھتے دالوں کی دال بچتی تھی، اب ان کے قد قوس میں سر دھننے کی تمنا چاہتے تھی۔ جب صبح سویرے نماز فجر کے بعد قرآن کی تلاوت کرتیں تو ان کے چہرے پر حضرت مریم کا نقش اور خاطر زہرا کی پاکیزگی طاری ہو جاتی۔ وہ اور بھی کم سن اور کٹواری لگتے لگتیں۔

ہاموں کی قبر اور پاس کھسک آتی، اور وہ انہیں منہ بھر بھر کے کوستے اور کالیاں دینے کہ بھالوں بھالوں کے بعد وہ بنوں اور فرشتوں کو دروغا رہی ہیں، پہلے کھینچ کھینچ کر جن قابو میں کر لیتے ہیں، ان سے جلو کی بوٹیاں منگا کر کھاتی ہیں۔ شغاب کے بعد اب مندی بھی ہاموں کو آنکھیں دکھانے لگی تھی مندی لگاتے تو جھنجھکیں آ کر نزل ہو جاتا۔ ویسے بھی انہیں مندی سے گمن آنے لگی تھی۔ رخصانہ ممانی ان کے ہاں میں مندی لگائیں تو باوجود اعتقاد کے ان ہاتھوں میں بھی طعینوں کو دینے لگیں۔ ان کے ہاتھ دیکھ کر شہامت ہاموں کو صبا مسموم ہو آ جیسے مندی میں نہیں ممانی نے ان کے خون دل میں ہاتھ ڈال لئے ہیں۔ وہی ہاتھ جنہیں وہ کبھی پڑھائی کی منہ بند کھلیں کہ کر چما کرتے تھے، آنکھوں سے لگاتے تھے، اب شکر کے خون غرار ہاں کی طرح ان کی آنکھوں میں گھسے جاتے تھے۔

پتا بھان، وہ ان کی منڈیا زمین پر گھسے، ممانی مندل کی طرح جھکتیں۔

بھینیں گھر سے قرال تیار کر کے بھالی کو کھانے لائیں کہ کہیں بھلونہ ڈہر نہ کھا رہی ہو۔ اپنے ہاتھ سے سامنے کھائیں۔ مگر ان کھانوں سے ہاموں کا حال اور بگاڑ ہو جاتا۔ ہوا سیر کی پہلی شفاقت نے وہ دودھ پکڑا کہ دہا سا خون بھی لچوڑ لیا۔ ابھی تک اس ہمارو گھٹنے کا اڑا بی تھی، جو انہوں نے پچھلے چاندوں میں مروا ہوا کے ایک جالی گرائی حکیم صاحب کا نوسہ لے کر کئی سو کی لاگت سے تیار کر لیا تھا۔ نوسہ

ہے وہ شکی قسم کا قاتل ہے، مرنے کا پتا تو کھرا کر کھرا ہو جائے۔ مگر ماہوں کو مرنے کی طرح پھولوں سے لے گئے۔

دیکھا مملاتی بھی تو سبکچوں پار پائی سے دھوئیں۔ اس میں گندھک اور بہت سی دوائیں گنت چھان کر ملائیں۔ دھڑیوں مریم قہقا جانے پتھروں میں نیم کے پتوں کا پانی لواتھیں اور صبح شام پچھلے خون دھوئیں۔ ان میں سے چند پھولوں سے مستقل باہر سے لگے تھے اور ماہوں کو نکل رہے تھے۔

پھر ایک تو اندھیری ہو گیا۔ ماہوں بہت کھو رہے تھے۔ ہمیں بھی بھونج کا دکھ رہا وہی تھیں کہ کئی پھول خدہا جانے کہیں سے کن مری۔ پہلے تو وہ شہامت ماہوں کو ۱۱ جان کھ کر ان سے طرقت کرنے لگی۔ کسی زمانے میں ۱۱ جان اس پر بہت مہمان رہ چکے تھے۔ پھر ماہوں کی موت پاری گئی تھی۔ ۱۱ جان کو سرے میں برس ہو چکے تھے۔ اور وہ اپنی پتھیر پھری آنکھوں میں اپنے خواب دکھانے پر مصر تھی۔ پڑی لے دے کے پھر وہ ماہوں کا اصلی مقام بھی تو مروجہ مملاتی کا ماتم لے بیٹھے۔

”جتنے جتنے کیا پھول ہیں وہاں دے گئیں۔“ اچانک اس کی نظر مملاتی پر جا پڑی۔ مملاتی گھٹن میں کودنے کو دانہ ڈال دی تھیں۔ جب پیارے انداز میں وہ گردن نہ ڈھانے چلی تھیں، جیسے تصویر کھینچ رہی ہوں۔ کیونکہ ان کی بلوریں دھکی ہوئی تھیں کیونکہ گودا رہے تھے۔ اور وہ بہت اعتقاد میں رہی تھیں۔

”ہائے میں مر گئی!“ پھول نے اپنا پتائی جیسا سید گنت کر رہا تھا مملاتی کی طرف ہوا میں دائیں لے کر پتھیروں پر دھون اٹھیاں چڑ چڑ پتھیریں ”سازد پاک نظر بد سے بچائے۔ دینا تو چاہا کا کھڑا ہے، میں جانوں پتھیرا برس لگا ہے۔ اسے میان وہ رازداری کے انداز میں ماہوں کے قریب ٹھسکی۔“ سوداگروں کا ٹھکانا دینا دھانت پاس کر کے آیا ہے۔ اٹھ قسم میں چاہا اور سوزن کی جوڑی رہے گی۔

کسی زمانے میں پھول بہتے سرے کی سلاطین تھیں اب اس کا بازار بند ہو چکا تھا۔ چونکہ سفید ہوا ہاتھ پیر سے مضور ہوئی تو کھولے مانگ کر گزر اوقات کرنے

گئی تھی۔

تھوڑی دیر تک تو کسی کی کچھ سی میں نہ آیا کہ پھول سوداگر کیا ایک رہی ہے۔ سوداگروں کا ٹھکانا دینا دھانت پاس قہقہے کی لکھوں میں تھا۔ کسی کو شبہ بھی نہ ہوا کہ ماشینی نظام، رشاد مملاتی کا رشتہ لگانے کی تاک میں ہے۔

”ماہم مہیں کی قسم“ ماہوں میں تو کھنکھوں کی جوڑی لوں کی۔ بات پھولوں؟“ بات وہ واضح ہوئی اور پانی مراد پھولوں کا بہت پھیر گیا۔ چاروں طرف سے تو جیسے دھننے لگیں۔

”جتنے جتنے ہم جہنم جہنم کو کیا قرعہ؟“ پھول سلیپر پتھیرا پتھیرا کی طرف چلے چلے اس نے ماہوں کی پٹی ہوئی صورت پر ایک حشرہ نظر ڈالی ”مگر یہ تو صاف کھوار بنا رہا ہے۔“

اس دن شہامت ماہوں نے قرآن افکار سب کے سامنے کھدیا کہ یہ دونوں پہلے کن کے تھیں، ”اوس چوس کی مہانتوں کا پھل ہیں جن سے رشاد تقیم مانگ بھانک کیا کرتی ہیں۔“

اس رات وہ دوتے رہے، گرا پڑے، ”انگھروں پر لوتے رہے اس رات اٹھیں پڑی مملاتی بہت یاد آئیں،“ ان کے بال نکل از وقت پک گئے تھے، ”ان کی ہوائی“ ان کا دلہنا آٹھویں میں رہ گیا۔ میں گودا پار سانی کا جسم، ”دفا کی پتلی۔“ ان کے مجھے کا پھول بھی انہوں نے اپنے دھند میں سمیٹ لیا، ”اور شریف پھولوں کی طرح جنت کو مدھار میں گرج وہ ہوئی تو یہ دودھ سوزن پر سفید پتھروں والے منہ کی گنگے بال پر دستہ باہر، یہ تھائی رت جاتی۔ پھر پھولوں میں نہ دھکا نہ دھون ساتھ پھول ہوتے، ایک دوسرے کے دھکا کو گھٹتے، سلاوا رہتے۔“

اس رات دن دھائی رات پر گئی پتھیرا گئی۔ بڑے بڑے کچھ کھولا ہو گیا، خنیاں بھول گئیں، ”پتھیرا بھول گئے۔“ نکل پاس کے دوسرے بہتے بہتے چلے پر رہ گئی۔ کیا جان سوز سہاں قہا شہامت ماہوں کی میت گھٹن میں بنی ستوری دھکی ہوئی تھی، ”بیمیں کھڑی پڑی پچھائیں کھا دی تھیں۔ ماہوں نے اپنی ماری جانید لو

بنوں کے جام حبہ کر دی تھی۔

وہ سارے ممالی سب سے ایک تھک دور سے گئی بیٹھی تھیں۔ کئے والے کئے
ہیں کہ انکی حسین اور سوگوار بیوہ زندگی میں کبھی نہیں دیکھی۔ سیدہ کیڑوں میں وہ
عجب پر اسرار خواب نگ رہی تھیں۔ وہ وہ کر آنکھیں खुود اور پوچھ رہی
تھیں۔ درد چہ بکراج کے تھینے کی طرح دمک رہا تھا۔ بے سے کو آنے والے سب
کچھ بھول کر بس انہیں دیکھ رہے تھے۔ انہیں مرحوم کی خوش نصیبی پر دلکش آدما ر
تھا۔

ممالی پر بے پناہ ہے ہی اور افسردہ پہلا ہوتی تھی۔ طرف اور سراہتی
سے ان کا چہرہ اور بھی بھولا گ۔ رہا تھا۔ دونوں بچے ان کے پہلو سے گئے بیٹھے تھے۔
وہ ان کی بڑی بہن لگ رہی تھیں۔
وہ کم سن بیٹی تھیں، چھہ قد و قد کے سب سے مشفق و ناز لے اپنے بے
شل جسم سے کوئی شاہکار بنا کر بھاڑا ہو۔



محبوب

محبوب!۔۔۔ میری مراد ہم واؤنکر محبوب سے نہیں، بنوں نے درد افزا
بھائی تھی، اور نہ اس محبوب کا ذکر ہے جس کی قبریوں میں شاعر اور ادیب زمین
آسمان کے قفا بے جایا کرتے ہیں، جس کے فراق میں عاشقوں کی مٹی گم رہتی ہے،
جس کی دلفنوں میں گھٹائیں ابھی ہوتی ہیں، چہرے پر چاند بھلا تا ہے، ہونٹوں پر
گلاب کی، ہنکریاں اور آنکھوں میں عاشقوں کے دلوں کو ناک کر گرنے والی بجلیاں
بھری ہوتی ہیں۔ میں تو فقط اپنے پادری طول عہد کا ذکر کر رہی ہوں۔ ان کی دلفنوں
پر گھٹاؤں کا شہر نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ وہ جس کے بعد چاند گھٹاتے تھے آنکھوں
میں بجلیاں نہیں کوڑھکتیں کیوں کہ ان کی آنکھیں نہیں صرف ایک افکونی آنکھ
تھی۔ اس مرحوم آنکھ سے بھی کوئی دہائی داستان وابستہ نہیں، کیوں کہ بچپن میں
چند ہی تھی اور بیٹی کی بیٹی رہ گئی۔

نہ جانے ماں باپ نے نوکیری بھرتی میں سے صرف ان کا نام محبوب رکھنے
میں کیا مصلحت تھی۔ محبوب کسی زمانے میں بھی کسی کو محبوب نہ رہے۔ وہ تو
صرف چھ بچوں کے باپ اور ایک حد و فوق بیوی کے شوہر تھے۔ اس کے علاوہ
ہست سے چھ عواس جسم کے آٹھوں کے پادری بھی رہ چکے تھے۔ ہانڈیاں پکانے اور
پادریاں پکڑواں لٹنے کی بھانے وہ قسمت کے مارے آٹھوں کو زبان خوش اسلوبی
سے قی دیتے تھے۔ دنیا میں جہاں اور بچوں گدھے کے سر سے بیگ کی طرح
غائب ہوتی جا رہی ہیں، اسی طرح پادریوں کا بھی کل چٹا جا رہا ہے۔ محبوب ہریش
اعتبار کرنے کے بعد اسے اپنے دعوے کے لئے قاضی پاکر پادری گیری پر آکر لگے۔
اس سے یہ ہرگز نہ سمجھ لیا جانے کہ وہ اس فن میں ماہر تھے۔ جہاں تک مہارت کا
تعلق ہے، وہ گورنر بھی ہو سکتے ہیں۔

محبوب کھانا پکانے کے معاملے میں بالکل ایک مہر سہی فن کار کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس کا فن نہایت جدید اور کچھ عجیبی اثرات کے انکسار سے تخلیق رکھتا تھا۔
پیشکش کو دیکھ کر آپ یہ نہیں بتا سکتے کہ یہ جو مہر سہی فن کار ہیں یا کتنے کا کھیت ہے۔ بالکل اسی طرح محبوب کے پکانے ہوئے کھانوں کو دیکھ کر آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ قورس ہے، کلیہ ہے یا کھڑے سالے کا گوشت ہے۔ جہاں تک مسالوں کا تعلق ہے وہ کھانے پینے سالے کا سامان پکانے کی بجائے کچھ اچھٹے کوٹے اور لودھم پکانے مسالوں کے کھانے پکاتے تھے۔ سیاسی پارٹیوں کی طرح ہر سالہ بالکل ایکلا اور اپہرتا اپنا رنگ دھبہ اور زور دکھانا نظر آنا پس پڑا۔ ہندی دھنیں سب ہوا ہوا سر لپکتے۔ کھال ہے جو ایک سالہ بھی اتنی منفرد و بے پناہ یا بے پناہ اور دوسرے کے غواس ملوی ہوئے دے۔ صرف ایک فرق ہو چکا کہ اس ظاہری کھجورے کی اندرونی پخت اور بالکلانی کی وجہ سے ہر دو زیادہ سے زیادہ ناگوار ہو کر بھرنے لگی اور کھانے والا اس خلق بھری ہانڈی کے ڈالنے کو سناپ کے ٹھنڈے کی پیچیدہ کی طرح اپنے جھڑوں میں دبا کر گم سم رہ جاتا۔

۱۰

محبوب کو بڑے سے نئے مہر سہی اصولوں اور ضابطوں سے ملنی پڑتی تھا۔ اس لئے وہ بھی موسم کی تازہ ترکاری نہیں لاتے تھے۔ دھواڑھو اور بڑے بے موسم کی غلاب ترکاریاں لاتے۔ اگر مہر کا موسم ہو تا تو وہ بیویوں کی حاضری میں سرگازی پر پیر کر دیتے۔ ظہیم کے زمانے میں گو بھی کے لئے سرگراں رہتے۔ پانگ کے موسم میں غرض حاضری کر کے لاتے اور اگر ہستی ترکاریاں کا موسم ہو تو وہ بھور ہو کر دال گوشت پکاتے۔

گھر کی سالن کی محبوب سے جنم جنم کی پر حاضری تھی۔ شاید صدیوں سے ان کے ساتھ پیدا ہو کر وہ ہاتھوں کے بجائے ان کا ہی جلاتے بھونٹے اور بھینٹے چلے آ رہے تھے۔ بے چاری نے کسی جنم میں کوئی نہایت ڈراؤنا پاپ کیا ہو گا جس کی سزا میں محبوب ان پر عذاب الہی عن کرنا مل ہوئے اور شاید واقعی دنیا تک ہی ہی قابل

ہوتے رہیں گے۔ اگر اگلے جنم میں انہوں نے کوئی کامیاب و عمارت محبوب حضرات کی چھری کی صورت میں پیدا ہو کر ان کے گھر کے بھر جائیں گے۔

مگر وہ جتنی بی بی کی طرح صبر و شکر کے ساتھ محبوب کو بھینٹ کر نہیں قسمت کا کھاسب کو بھینٹا پڑتا ہے۔ انسان کی مہل نہیں ہو سزا اور بڑا سے بچا جائے وہی مثل حق سے خود نہیں اٹھیں اور۔ "پیاروں کی حقیت نے محبوب کو رزق کا مالک بنا دیا تھا۔ کئی بار ان سے بچنے کی کوشش کی گئی۔ وہ سرا پادہی آیا مگر جلد ہی بھاگ گیا اور رکنا بچھڑے گا۔ یا کسی بھڑکی میں گم ہو گیا۔ محبوب رکنا بچھڑنے میں خود اپنے زیادہ کھچ جاتے کہ بس! ہاشام اللہ بھلی۔ بیبیوں جب رکنا میں چلتی تھیں تو ان کے وزن کی کھچائی کے لئے وہ جھڑوں کے دم والا پھلون بھی کھتے تھے۔ یہ کام خدوں اور چھینچوں کے قبیلے کے انسان کے بس کی بات نہیں۔ چنانچہ جب دلا۔ "فولان" ایک ایک کر کے شری تمام شریف بیویوں کو وہ نالے میں گرا چکے تو رائے عامہ ان کی رکنا بازی کے خلاف ایک زبردست حلقہ بنا کر کھڑی ہو گئی۔ تب قائل ہوتا چڑا کہ "ادوں تو فرا بیٹھی تھا۔ اور انسان بندہ کے علاوہ بھگون اور بھگون کی نسل سے ترقی (یا تخریب) کر کے یہاں تک پہنچا ہے۔

لہذا تمام رکنا میں لودھم پکانے کے بعد وہ بھر پادہی کے پتے کی طرف لوٹ آئے۔ جب بھی انہوں نے کسی اور پتے پر دست شفقت بھینٹا جھپا تو کوئی نہ کوئی قیامت آگئی۔ انہوں نے پھلون کی چھڑی لگائی تو بیڑہ "ہو شاید ناگ میں بیٹھا تھا" شہر لوٹ پڑا اور یہ بیٹھیلی والے محبوب پر لوٹ پڑے۔ انہوں نے ملائی کے برف کا دیوار شہرے کیا تو فوراً کئی کھانسی اور چیخ کی دہاہ شہر میں پھیل گئی۔ لوگ ان کی قہقہوں کو دیکھ کر ایسے بدستے گئے جیسے وہ لڑیہ لڑکیاں نہیں ہم دوست کی بندھن سے علی ہوئی گویاں ہوں۔ انہوں نے غریبوں کی قالین کا ٹھیکہ لیا تو اوٹے پڑ گئے۔ کھانے کی تل پر آس لگائی تو ہر کوئی کی دوائے ہیزا کر دیا۔ جو کھانا نہ وہ بیٹھ ان میں منگھا ڈسے کم اور جو کھیں زیادہ قتل دیتے۔ جب کوئی دھنڈا بیٹھ جاتا تو وہ سٹانے کے لئے بھر پادہی کیمری پر لوٹ آتے۔ اتفاق سے ان کا جب بھی دھنڈا

اگرچہ اللہ تعالیٰ کا نام تلا کرنے کے لئے انہیں ایک حد لگا دی گئی تھی۔ مگر وہ انہوں کی رفتار کا تہ نہ ان کی جیسی مقابلہ کر سکتی تھیں نہ خدا کی قدرت۔ پھر ان ۷ سال میں ایک ہی سال ہو سکتا تھا جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سال میں چھ مرتبہ نکل جاتا تھا۔

محبوب کوڑیوں اسی لہو پر جاسی چڑ کے اس پاس رہتا تھا۔ کبھی تو کہ دو قلم بچہ جاتا تو کوئی عارضہ انہیں لاحق ہو جاتا اور وہاں سیواں گھٹ جاتا کبھی بھی سونگی ٹانگوں کے باوجود بیویٹ چست کھنڈر پابند اور فوری قطع کی قیضیں پہننے لگیوں کہ انہیں ایک دفعہ اسپتال سے فوری قیضیں مل گئی تھیں۔ اس کے بعد عبد بڑے عہدہ کی قیضیں بھی انہوں نے اسی قیضیں کی سلاوا میں کچھ نہ کہ ان کا خیال تھا کہ اس قیض سے ان کی طبیعت ضرورت سے زیادہ مرعوب کن ہو جاتی تھی۔ نگ پابند کا راز گھری ساس نے ایک دن مضمون کر لیا۔ واضح رہے یہ پابند اوپر سے بالکل اخیلا ہوا، گھبراہٹ سے وہ اوپر سے ہی کر پست کر لیتے۔ یوں ایک غایت آرام دہ استور دوم تیار ہو جاتا۔ ساس کا خیال تھا کہ امانت پہنزی ڈھکاری سے لے کر گوشت کی بیویاں اور سروروں کے دلوں میں ٹھکن اور کچی کی ڈالیاں تک اس میں بڑے اطمینان سے استور کی جاکتی ہیں۔ کھانے کے سلاواں اور جنس میں سے جو وہ کیشن مشا کرتے وہ خلیق ہو آ رہتا۔ اور دوپہر کے کھانے کے بعد اور رات کو قیضیں صاف ہی جاتی تھیں۔

کھانے کے سامان میں سے تراش غرائض کے ہو غلاب کئے انھیں یاد ہیں اگر وہ کٹائی صورت میں جمع کئے جائیں تو ایک شاہکار تیار ہو جائے جس کے چہرے سے لاکھوں کا ہلکا ہو گا۔ گھڑی سانس کی سطر یا لمبی بپ اتنی خلت نہ تھی تب تو محبوب نہایت غیر شاعرانہ طریقے سے آواز دال اور گھڑی چرا کر لے جاتے تھے۔ مگر بپ سے سانس نے وال چالوں کے دانے گن کر دینا شروع کر دیئے محبوب نے بھی دلچسپی کا ایک وسیع چارٹ تیار کر لیا۔ مثلاً بپ ہر تیز قول کر دینے کے بعد بھی سامان کی صورت پر چٹکا رہی برقی رسی تو سانس میں یاد دہانی کے سامنے دھرتا

وہ کرچھ گئیں۔ مگر اب کھانا نکل کر میں، کیا قاسب کے پیسے چھوٹ گئے۔
محبوب ضرور کسی جن کو گاؤ میں کے ہوئے تھے اور نہ یہ کیسے ممکن ہے کہ انگوٹوں
کے سامنے تمہارا مال جائے اور ضرور ہے کہ تمہارے نظر آئے۔

[illegible]

عجوب کی آنکھ بچک میں تھیں تاکہ اس پھر زمین سے ٹھنسی تھی کہ اس میں شیشے کی آنکھ ہوا سے متعلق تھا۔ کوئی آنکھ فٹ سی نہیں بیٹھتی تھی۔ پہلے آنکھ بچک واصلی تھی کہیں گر جائے۔ بچکوں میں بھی آنکھ جیسے تھمتے رہے اس کے بعد وہ عجمی کی مختلف نوع کر کے آنکھ لائے تھے اپنی بڑی کر بچ کے تھے۔ باہر کو ابلی پڑتی تھی اور سوتے میں بھی سناٹا بچک کی آنکھ کی طرح کھل رہتی تھی۔ اس پر طواریہ کے لیے رنگ کی جس بچک کے ان کی اصلی آنکھ میں پھنسی بچک کے رنگ کی تھی۔

”جی سرکار بہت سستی مل گئی۔“ اگر سستی مل گئی تو ہر دوا اعتراض کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ گو اس آنکھ کو لگانے کے بعد وہ کالی سے زرد یا ہلکا گئے۔ لوگوں کے خیال میں وہ چاندی کی آنکھ تھی کیونکہ اسے لگانے کے بعد وہ بالکل

ی توفیق ہی کر سکتے تھے۔ گو وہ سراسر حسیں کھاتے تھے کہ ایک چڑ بھی چرائی ہو تو کھن کو لگے۔ ظاہر ہے زنداویاں اور کبھی کسی شریف کوئی کے کھن کو نہیں لگ سکتا۔ زنداویاں کی قسموں سے ان کی ایمان داری کو کوئی سدا نہ ملتا۔ دیکھتے خدا کی قسم کہ لوگ اس زمانے میں بھروسہ بھی نہیں کرتے۔ اس لئے آپا انہیں بچوں کی حسیں کھاتیں۔

"سنے کی قسم۔" وہ پھٹ سے سننے کی قسم کھا جاتا۔

"وہ وہ سننے کی قسم کھا رہا ہے" سرور کی قسم کھا۔ "آپا چڑ بچوں میں آنے والی آسانی نہیں حسیں۔ وہ جانتی حسیں کہ مزید ایشی لگا ہے پہلی ساہجہ دستوں کا منبع دیندہ کوئی کی خوراک بھونک دیتا ہے۔ مرنے کا قطعی ارادہ نہیں رکھتا" خواہ کتنی بھی بھولی کوئی حسیں کھائے وہ ڈرتا رہے گا۔ ڈانکوں نے جو طعنہ تھانے وہ اگر محبوب کی سات پیشیتیں بھی زندہ ہو کر زور لگائی تو نہیں ہو سکتا۔ سب کو معلوم ہے وہ کبھی اٹھ کر نہیں بھاگے گا۔ کبھی کوئی کام نہ کر سکے گا۔ اس کی زندگی ایک بے معنی نقطہ ہے جس کے آگے پیچھے کوئی بے معنی جملہ نہیں۔ اور محبوب بڑی فراخ دل سے اس کی بھولی حسیں کھا سکتا تھا۔

مگر سرور جو نویں جماعت میں چڑھتا تھا جس کے انگریزی فیشن کے ہال تھے اور ٹیکر پڑھتا تھا۔ ظاہر ان میں وہی عمدہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کی بچی قسم بھی دلاؤ تو محبوب کی انگلی کی آنکھ میں طون اڑ آتا۔ پھر اس کی گولی آنکھ بھی سسکیاں بھونے لگتی۔ اور وہ نوکری بھونے پر تیار ہو جاتا۔ سرور ہی کی خاطر وہ چوڑی دار کھینچتا پاجامہ پہنا اور کونے کی مٹکی میں کھجی کی نوکری پھیلاتا۔

ایک آنکھ سے محروم ہونے کے علاوہ محبوب کچھ لوٹا بھی سنتے تھے ایک دن باہر سے آکر میں نے پوچھا "محبوب! ڈانکڑ کھوش آئے تھے؟"

"جی ہاں سرکار!" انہوں نے دال کھاتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا کمرہ ہے تھے؟"

"جی سرکار! وہی ہے!"

"کیا؟"

"جی ہاں قی کر اہل ہے۔"

"مے کم بخت کیا کبک دیا ہے؟ میں پوچھ رہی ہوں ڈانکڑ کھوش کو" اور تو اندھا ہاں قی دیا ہے۔"

"ارے سرکار! میں کھا گوشت کو پوچھ رہی ہیں۔"

مگر بھولی آپا کتنی حسیں دیتا ہے۔ وہ تو اس کے کھانے میں کو بھی عادت کر دیتی۔ اگر اس کی بھولی آنکھ ایک مرتبہ پادری خانے کی ٹالی میں پڑی نہ ملتی۔ اس دن سے کھانے میں اس کی بھولی آنکھ کے خلاف محاذ قائم کر دیا۔ آنکھ بھینچا کسی کھانے انگریز کے لئے بنی ہو گی۔ اس لئے ان کا خیال تھا کہ اس کو لگانے کے بعد محبوب بالکل برعکس شادی زمانے کا لالہ صاحب بن جائے گا اور پادری خانے کو تو آبادیات کی طرح لٹکے لگا۔ وہ نیاں قند زہ غلو کی طرح وہاں رہا ہونے لگتی۔ بھونڈوں کو سونگے کا آزار ہو جائے گا اور سرور بے کا حال بچا چڑ جائے گا۔ جی نہیں وہ برعکس پالیسی کو مکمل طور پر کامیاب بنانے کے لئے اس میں بھولت والا کر اپنی چاندی بھی کر لیتا۔

"بڑی بیگم صاحب گوشت میں کیا پڑے گا؟ وہ اس سے پوچھتا۔"

"سبھی کچھ لگے۔ اور ہاں ہری مرغیں" سچ میں سے خبر کے ڈانکڑ بیٹھ کی طرح بندہ ڈال دیتا سولی زندہ لگای ہو جاتی ہیں۔ "ماس جواب دیتی۔"

پھر وہ احتیاطاً "سو سے پوچھتا۔" "کون سی گوشت میں کیا پڑے گا؟"

"نہا۔ اور دیکھو۔ چھری مرغیں نہ بھونک دیتا۔ صاحب کا نظرت ہے۔" "ہو سکتی دیتی۔"

وہ ماس بھولی حلقہ پند کے پتھر میں چڑ کر کدو گوشت پکا کر اس میں کھڑی مرغیں ڈال لیتا۔ ظاہر ہے کہ کدو دیکھ کر پورا گھر دیکھ لگتا۔ محبوب کی پکار پڑتی اور وہ قطعی بت کا فرما ہوا حاضر ہوتا۔

"میں دے کم بخت پاک جتنی کے جہانے یہ اپنا سر اہل دیا گوشت میں!" ماس چلاتی۔

"سرکار دہلی کے کتا تھا لڑا دلی۔"

"تو پھر لڑا کیوں نہیں لڑے؟" ہو جو چلتی۔

"مصور ہوا بیگم نے کتا تھا پل جیتی پڑے گا۔"

"تو پل جیتی کیوں نہیں ڈالا مولا۔" ساس پر چلتی۔

"سب سرکار میری تو بی بی صیت ہے۔ جیتی باگ دلا تو ہو بیگم جیتی اور

لڑا دلا تو بی بی بیگم چلتی۔ آپ ہی بتائیے کس کا ہم ہاں اور کس کا نہ ہاں۔"

وہ چ کر جواب دیتا۔

"اس لئے تم نے کدو ڈال دیا۔" صاحب سے ضبط نہ ہو سکا۔

"جی سرکار اور کیا کرتا۔ ویسے کدو کھڑا ہوا ہے۔ دماغ کو ذرا ت ہانپا

ہے۔"

تب سارا گھر کدو کی طرح سوراخ ہوا۔ محبوب کو معلوم تھا کدو کوئی نہیں

کھائے گا۔ وہ نہایت اطمینان سے بھرا کدو اسان گھر لے جاتا۔

اس وقت بے اختیار سب کے منہ سے نکل جاتا۔

قزاق اجل کاٹنے سے دن رات بھاگتا تھا۔

میں چلیوں میں گئی تو گھر میں ایک قیامت مچی ہوئی تھی۔ پھولی ہائی اپنے

ساتھ کھنٹے سے کوئی چوہہ چدو برس کی لوطیا لے آئی تھیں۔ محبوب پتا نہ تھی

لوطیا۔ دن بھر ہلا کر رہی تھی۔ نہ جانے کیا ہوا تو اس کے موارے کہ وہ بھاری ہو

گیا۔ پھولی ہائی تو چھو کا ذک پہر و سرور بھائیں اور توکوں کی سنیاں کم ہو

گئیں۔ محل کام نہیں کرتی تھی کہ کیا کیا جانے ایک دن شام کو گھر کوئی تو محبوب

لے جانے کی رے سامنے دکھائی پھر نہایت شرم سے مسکراتے ہوئے انداز میں محل

کی بہادی خلیوں کی بیٹ سڑکا دی۔ میرا دل جھک سے رہ گیا۔ جب بھی

محبوب کی وہی کہانی میں اضافہ کرتی تھی مسکرتے ہوئے لدا۔

"مولا کا لڑکی؟" میں نے ٹھس کر پوچھا۔

محبوب پھولی ہائی کی طرح دھک گئے۔

"اے ہے وہ کیوں نہیں؟ چنگائی۔"

"میں نے عورتوں سے نکاح نہ کیا۔"

"میں؟" میں ایسے اچھل کر جانے کی پالی کھڑکڑا کے رہ گئی۔

"تو کیا کرتا سرکار؟" محبوب نے دانت کھٹے اور میرے گھر کو اسحق کی بی

گھر کر چل گئے۔ ایک دن کی ماری خوش ہوئی تو سنبھلی نہیں جاتی مولا

ہے۔ ایک اور کرنی اور وہ بھی میری ہال کی بددلی سے۔ باغداد اب یہ ذیل دلا

سے دھرتی کا جو جو پہلے پر قہ جانے گا۔ دم کر دیا۔

کئی سال میرا جانا لومر نہ ہو سکا۔ نہ نئی اڑتی ہوئی خبر سن کر محبوب کی پہلی

بجری مرگئی۔ بے سب کے سامنے بیک باٹھے ہیں۔ سورا بھی بھاگ گیا۔ پھر سارا

محبوب بھی بھی آگے ہیں۔ کسی قسم کے دفتر میں چڑھ اسی ہو گئے ہیں۔ مجھے ایک دن

نہیں میں ملے۔ کتنے گئے کھٹک کوہ میں ایک کھٹک مل گئی ہے سورا کوہ نکل

گیا ہے۔ مٹا ہل کے ساتھ اٹھ کر پارا ہو گیا۔ عورتوں حرافہ کسی کرم کی نہیں۔"

وہی دست پا بند پتے ہوئے تھے شری نواسیض پر بھوری گاہو می کیپ کا اضافہ ہو

گیا تھا۔

"وہ سال بعد ملے تو ایک وہ سری پھولی سی کہانی میں مکہ پر بددلیشن بھیر کے

مولا سے پر مصور نظر آئے۔ انداز بھی بدلے ہوئے تھے۔ وہ سال پہلے جتنی لپا لپا کتنے

تھے اب لپا لپا کتنے گئے۔

ابھی کچھل اڑا کر محبوب ہر مل گئے میں تو پہچان بھی نہ تھی۔ دست پا بند تو

وہی تھا کراس پر نہایت کل ابھرن والے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں پانچ سو بچہ کا وہ

تھا۔ آٹھ کے بے تھے جن کو کھا پتہ دیکھے ہوئے تھا۔

"بے بی کو کام مل گیا ہے" انہوں نے تجھیں نکال کر پاس کڑھی ہوئی گڑیا

کی حرف اٹھا دی۔ اور میری محل تھا ہائی کھا گئی۔ وہ بھی ذرا دیر کو ایسے ہو کھلا

گئے جیسے میں نے انہیں نیچے میں گوشت کی ہوئی پھانچے بکھرا دیا ہو۔

"عورتوں؟" میرے انہن میں پھلا دی کی محل کو نہ گئی۔

